فہرست

باب اول

شخصی کوائف اور پس منظر

باب دوم

ادبی خدمات

باب سوم

باب چہارم

پیش لفظ

ہم اکثر سنا کرتے تھے کہ مبارکپور کی ایک عظیم شخصیت پروفیسر محمد حسن الاعظمی کی بھی تھی جن کا ایک اہم کارنامہ جامعہ مصریہ میں شعبۂ اردو کا قیام ہے اور یہ کہ ان کی سو سے زائد کتابیں ہیں۔ ان کی شخصیت سے واقفیت کی کوشش تو بہت کی مگر اس عظیم ہستی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ کر سکے۔ ۲۰۱۲ء کا واقعہ ہے ایک روز اقبال اکادمی آف پاکستان کی ویب سائٹ دیکھ رہے تھے کہ حسن الاعظمی کا ذکر علامہ اقبال کے حوالے سے ملا۔ یہ علامہ اقبال کو عرب ممالک سے روشناس کرانے میں حسن الاعظمی کے اہم کردار کا ذکر تھا۔ راقم نے ای میل کے ذریعہ 'اقبال اکادمی آف پاکستان' سے رجوع کیا کہ وہ حسن الاعظمی کے متعلق جتنی بھی معلومات ہمیں فراہم کرا سکیں کرا دیں کیوں کہ اس عظیم شخصیت کا تعلق ہمارے شہر مبارکپور (ہندوستان) سے ہے۔ ۱۸/اکتوبر ۲۰۱۲ء کو ایک خط (بذریعہ) ای میل 'اقبال اکادمی آف پاکستان' کے ناظم محمد سہیل عمر کا ملا، جس میں کچھ کتابوں کے نام اور سر عبدالقادر کا لکھا ہوا ان کا ایک تعارف بھی تھا۔

پروفیسر حسن الاعظمی کے اس مختصر سے تعارف اور ان کی حیات وخدمات کی ایک جھلک نے میرے اندر حیرت ومسرت کے غیر معمولی جذبات بھر دیے۔

جس شخص نے ملت اسلامیہ کی سرخروئی اور عالم اسلام میں اخوت واتحاد کے فروغ کے لیے اپنی ساری زندگی صرف کردی، اسے ہم نے کتنی آسانی سے بھلا دیا! یہی وہ احساس تھا جس کے زیر اثر پروفیسر اعظمی کے یوم پیدائش کے موقع پر ۲۵ ردسمبر ۲۰۱۲ء کو نگر پالیکا مبا کپور کے ہال میں ایک کنونشن کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں مبارکپور کی اہم شخصیات نے حصہ لیا اور ہماری اس پہل پر خوشی کا اظہار بھی کیا اور ساتھ ہی اس بات کی تاکید کی کہ حسن الاعظمی کی خدمات کو مکمل طور پر اجاگر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے تاکہ ہم ان کی شخصیت اور خدمات سے اہل مبارکپور کے ساتھ پورے ہندوستان کو متعارف کرا سکیں۔ میری پہل پر ہی اس وقت استاذِ محترم مہتاب پیامیؔ صاحب نے اعظمی صاحب پر تحقیق شروع کی اور کافی تلاش و جستجو کے بعد انہیں جو کچھ حاصل ہو سکا اسے کتاب کی شکل دی اور اس طرح ’’بابائے عربی حسن الاعظمی‘‘ موضوع کے تحت دسمبر ۲۰۱۳ء میں ہماری تنظیم علامہ اقبال ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی کے زیر اہتمام شائع ہوسکی۔ ۸۸ رصفحات پر مشتمل یہ کتاب جس سے اعظمی صاحب کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہوئی مگر میری تلاش وجستجو جاری رہی اور میں اعظمی صاحب کے بارے میں اور بھی معلومات کرنا چاہتا تھا حسن اتفاق سے مولانا آزاد یونیورسٹی جودھپور میں پی ایچ ڈی میں داخلہ ہوگیا اور میں نے اعظمی صاحب کی حیات وخدمات پر ہی پی ایچ ڈی کرنا چاہا مگر یہ موضوع کنہیں وجہ سے منظور نہ ہوسکا مگر پھر بھی میں اعظمی صاحب کی کتابوں کو تلاش کرتا رہا جس میں کئی ویب سائٹ پر ان کی کتابیں پی ڈی ایف کی شکل میں حاصل ہوئیں اور مجھے حوصلہ ملتا گیا۔ یہ بھی حسن اتفاق ہی ہے کہ انٹرنیٹ کے ذریعہ جناب محمد زبیر صاحب، لائبریرین، شرف آباد لائبریری، کراچی سے رابطہ ہوا اور انہوں نے اس کام میں بھرپور مدد کی۔ زبیر صاحب نے ہی ان کے

اہل خانہ سے رابطہ کرایا اور ساتھ ہی محترم راشد شیخ، ڈاکٹر معین عقیل وغیرہ سے بھی نہ صرف رابطہ کرایا بلکہ اعظمی صاحب کے متعلق بہت کچھ فراہم بھی کیا۔ اگر زبیر صاحب سے رابطہ نہ ہو پاتا تو یقینا پروفیسر اعظمی صاحب کے اہل خانہ جو اس وقت کراچی میں ان کے مکان میں مقیم ہیں، سے بھی رابطہ نہ ہو پاتا۔ اعظمی صاحب کے بھتیجے صادق حسین صاحب نے ان سے متعلق بہت سی اہم معلومات فراہم کرائیں جس کی وجہ سے اسے کتابی شکل دی جاسکی اور اعظمی صاحب کی حیات کے بعض اہم گوشوں تک رسائی ہوسکی۔ میں شکرگزار ہوں اپنے سرپرست پروفیسر اختر الواسع صاحب کا کہ انہوں نے اس کتاب کا مقدمہ تحریر کیا، اور شکریہ محترم احمد جاوید صاحب کا جنھوں نے بڑی باریکی سے اس مسودے کو دیکھا اور کمیاں دور کرنے کے ساتھ ہی کتاب کے حوالے سے اپنا تاثر بھی تحریر کیا۔ ساتھ ہی فرید بک ڈپو کے سربراہ ناصر خان صاحب کا بھی صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کیوں کہ انھوں نے اس کتاب کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ محمد زبیر صاحب اور صادق حسین صاحب کا بھی بے پناہ شکریہ اگر ان لوگوں نے مدد نہ کی ہوتی تو شاید یہ کتاب بھی منظرعام پر نہ آپاتی، ڈاکٹر محمد کمیل ترابی صاحب و مولانا انعام الرحمٰن صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، انھوں نے بھی کافی مدد کی، اور آخر میں استاذِ محترم مہتاب پیامی صاحب کا شکریہ بھی ادا کرنا ضروری ہے کیوں کہ انہوں نے اس کتاب کو دیکھا اور کمیوں کو نہ صرف دور کیا بلکہ اسے کتابی شکل میں ترتیب بھی دیا۔

عامر فہیم

پروفیسر محمد حسن الاعظمی الازہری

پروفیسر محمد حسن الاعظمی کا نام محمد حسن اعظمی تھا جن کے والد امداد علی تھے۔ ۲۵/دسمبر ۱۹۲۲ء کو اعظم گڑھ کے مبارکپور میں پیدا ہونے والے اعظمی صاحب کو لے کر کل چھ بھائی بہن تھے جن میں ان کے تین بھائی اور دو بہنیں تھیں۔

اعظمی صاحب اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ دوسرے نمبر پر بھائی علی حسین اعظمی صاحب جو کہ اعلیٰ پایہ کے طبیب تھے۔ حیدرآباد دکن انڈیا سے طب کے شعبے میں سند یافتہ حکیم تھے۔ تیسرے نمبر پر بھائی محسن علی اعظمی صاحب ہیں جو کہ کتابوں کی دکان ''مکتبہ اعظمیہ'' کے مالک تھے۔ پروفیسر صاحب کی کتب کی اشاعت وطباعت کی ذمہ داری ان ہی کے سر تھی۔ ان کی اولادوں میں چار بیٹے اور تین بیٹیاں شامل ہیں۔ چوتھے نمبر پر بہن فاطمہ تھیں جو کہ نیم نابینا تھیں۔ بیوگی کے بعد سے تا دمِ آخر اپنے بھائی پروفیسر اعظمی کی خدمت گذار رہیں ان کی اولاد میں صرف ایک بیٹا ہے۔ پانچویں نمبر پر بہن آمنہ فدا علی تھیں جنہیں پروفیسر صاحب خود انڈیا جا کر وہاں سے پاکستان لائے تھے۔ ان کی اولاد میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی شامل ہے۔ چھٹے نمبر پر بھائی فدا علی اعظمی تھے۔ وہ بھی اپنے بھائی محسن علی اعظمی صاحب کے ساتھ مکتبہ اعظمیہ پر مصروف کار رہتے تھے۔ ان کی اولادوں میں چار بیٹیاں اور دو بیٹے شامل ہیں۔

پروفیسر صاحب کا گھر بہادر آباد کراچی میں آج بھی ہے جہاں اعظمی صاحب تادمِ مرگ رہائش پذیر رہے۔ان کے تمام بھائی بہن ایک ساتھ ایک ہی گھر یعنی بہادرآباد میں ہی رہائش پذیر رہے۔

کراچی زولوجیکل گارڈن کے پاس ہی دکان مکتبہ اعظمیہ تھی جہاں کتابوں کی طباعت واشاعت ہوتی تھی ۱۹۹۶ء تک یہ دوکان وہیں رہی۔

پروفیسر صاحب اپنے نام کے ساتھ ''الازہری'' لکھنا پسند کرتے تھے۔کھانے میں سادی غذا استعمال کرتے،مچھلیوں کے شوقین تھے۔ پھلوں میں آم،کیلا اور پپیتا پسند کرتے تھے۔زیادہ تر بسوں میں سفر کرتے تھے یا پھر پیدل چلنا پسند کرتے تھے،ذاتی سواری کوئی نہیں تھی۔آخری عمر میں سماعت بہت زیادہ کمزور ہوگئی تھی اس لیے آلۂ سماعت کا استعمال کرتے۔

اعظمی صاحب پڑھنے لکھنے سے خاصا شغف رکھتے تھے۔عربی زبان سے انہیں خصوصی لگاؤ تھا۔اتحاد بین المسلمین کے بہت بڑے حامی تھے۔زولوجیکل گارڈن کے قریب ہی ان کا ایک دفتر بھی تھا جہاں پر وہ عربی زبان کی تعلیم دیتے تھے۔اس دوران پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ایم اے، اردو عربی کے تدریسی فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ان کا طریقہ تدریس،استدلالی تھا۔زبان فصیح وبلیغ تھی عربی زبان میں اردو زبان سے زیادہ فصاحت و بلاغت تھی۔قرآن پاک تراجم سے دوران لیکچر انبیاؤں کے قصے اور حوالہ دیتے تھے۔

سادہ مزاج شخصیت کے مالک تھے،لوگوں پر بہت جلد بھروسہ اور اعتبار کرلیا کرتے تھے۔عربی زبان کی ترقی وترویج کے نام پر بہت دھوکے کھائے اور کافی مالی نقصان بھی اٹھائے۔مفاد پرست اور ابن الوقت قسم کے لوگوں نے عربی کالج کے قیام کے نام پر ان کو بہت لوٹا اور بہت فریب دیا اور کافی مالی نقصان سے

دو چار کیا۔

اعظمی صاحب کے گھر کا جو مقدمہ چل رہا تھا وہ فریق مخالف کے حق میں ہو گیا یعنی ہم لوگ وہ مقدمہ ہار گئے ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ پروفیسر اعظمی صاحب کو ان کے آبائی وطن کے لوگ یاد کر رہے ہیں اور ان پر کام کر رہے ہیں جس کیلئے عامر فہیم صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے شکریہ بھی ادا کرنا چاہتے ہیں کہ پہلے ان کی پہل پر مہتاب پیامی صاحب نے ایک کتاب لکھی، اب وہ خود ''پروفیسر محمد حسن الاعظمی حیات و خدمات'' تحریر کر کے اعظمی صاحب کی شخصیت سے موجودہ اور آئندہ آنے والی نسل کو روشناس کرانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

صادق حسین

(پروفیسر محمد حسن الاعظمی کے برادرزادہ)

مقدمہ

اعظم گڑھ کی سرزمین علمی اعتبار سے بڑی زرخیز واقع ہوئی ہے،اور یہاں کا سب سے بڑا تاریخی قصبہ مبارکپور تو فی الواقع اگر مسلم نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ایک چھوٹا موٹا سا ہندوستان ہے۔کون سا مذہبی فرقہ کون سی ذات برادری کے لوگ یہاں موجود نہیں۔ہماری مبارکپور سے شناسائی قاضی اطہر مبارکپوری مرحوم کے حوالے سے رہی ہے یا پھر جامعہ اشرفیہ مبارکپور، جامعہ عربیہ دارالتعلیم، جامعہ عربیہ احیاءالعلوم اور مدرسہ باب العلم کے حوالے سے رہی ہے۔لیکن ہم کیا خود مبارکپور والے بھی اپنے جس گوہر نایاب سے بخوبی واقف نہیں ہیں اس کا نام نامی پروفیسر محمد حسن الاعظمی ہے جو ۲۵/دسمبر ۱۹۲۲ء کو مبارکپور میں پیدا ہوئے اور ۷/ستمبر ۱۹۹۵ء کو کراچی میں انتقال کر گئے اور وہیں کے عزیز آباد قبرستان میں ۸/ستمبر ۱۹۹۵ء کو تدفین ہوئی۔

پروفیسر محمد حسن الاعظمی کی ابتدائی تعلیم مبارکپور میں ہوئی لیکن حصول علم کا ذوق وشوق انہیں مصر لے گیا۔یہ مصر کا سفر ایک طرح سے تمام تعلقات، رشتوں اور وطنی بندھنوں سے اپنے آپ کو آزاد کرنا تھا۔انہوں نے جامعہ ازہر میں نہ

صرف تعلیم حاصل کی بلکہ پوری تعلیمی نظام کا ایک تنقیدی مطالعہ بھی جاری رکھا اور بعد میں اپنے اساتذہ جو جامعہ ازہر کے ذمہ دار ارباب میں شامل تھے ان سے بھی اس کا تذکرہ کیا۔

پروفیسر محمد حسن الاعظمی کثیر المطالعہ شخصیت کے مالک تھے اور ساتھ ہی کثیر التصانیف بھی، عربی اور اردو کی پانچ جلدوں میں ان کی لغت آج بھی اپنا جواب نہیں رکھتی اور کوئی عربی والا ہو یا اردو والا ان کی اس لغت سے استفادہ کے بنا دونوں زبانوں کے ساتھ اپنا ایک مستحکم علمی رشتہ نہیں بنا سکتا۔

پروفیسر محمد حسن الاعظمی کی دو کمزوریاں تھیں ایک عربی زبان کیلئے ان کا شوق اور شغف اور دوسرا علامہ اقبال اور ان کی شاعری سے ان کا غیر معمولی لگاؤ ۔ انہوں نے جہاں ایک طرف عربی زبان کے فروغ اور اسے مقبول عام بنانے میں بڑا کام کیا اور اس کیلئے الاخوۃ الاسلامیہ کے نام سے ایک بین الاقوامی جماعت مصر میں قائم کی تا کہ مصر اور دنیا کے دیگر ممالک کے علماء اور ادیب ایک دوسرے کے قریب آسکیں۔ پروفیسر محمد حسن الاعظمی کی قائم کردہ اس تنظیم کے پہلے صدر مفسر قرآن اور اسلام کے بطل جلیل علامہ طنطاوی جوہری تھے اور بعد ازاں ڈاکٹر عبدالوہاب عزام نے یہ ذمہ داری سنبھالی۔ اقبال کے نام، کام اور کلام کو عرب دنیا میں مقبولِ عام بنانے کیلئے الاخوۃ الاسلامیہ کے صدر دفتر قبۃ الغوری قاہرہ میں ہر ہفتے مقامی ادباء اور علماء لیکچر دیتے رہے۔ اعظمی صاحب

کی علمی وتحقیقی دنیا میں عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ طنطاوی جوہری،مخزن لاہور کے مدیر شہیر اور علامہ اقبال کے جگری دوست جسٹس شیخ عبد القادراورڈاکٹرعبدالوہاب عزام ان سے عقیدت اور محبت کا تعلق رکھتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ پروفیسر محمد حسن الاعظمی مذہباً داؤدی بوہرہ خاندان میں پیدا ہوئے لیکن انہوں نے تقلید کے بجائے انحراف کا راستہ اختیار کیا اور اپنے مذہبی پیشوا یعنی سیدنا اوران کے طورطریقوں سے اختلاف کیا،اس پر کتابیں بھی لکھیں۔پہلی کتاب کا سیدنا کے ایک معتقد نے جواب بھی دیا تھا جس کا جواب پروفیسر محمد حسن الاعظمی نے 'خضرِ راہ' کے نام سے دیا اور پھر اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔اسی باعث انہیں داؤدی بوہرہ فرقے سے نکال دیا گیا تھا اور ساری زندگی وہ مسلکی عناد اور مسلکی تفرقات سے ہمیشہ دور رہے۔بحیثیت انسان ان کی شخصیت بڑی دلکش اور من موہنی تھی۔اپنی علم دوستی اور انہماک کے باوجود وہ ایک شفیق کنبہ پرور،رفیق دوست اور انتہائی مہربان استاد تھے،جس کی گواہی ان کے بارے میں ان کے وابستگان کی تحریروں اور تذکروں میں بخوبی مل جاتی ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ مبارکپور کے ایک نوجوان جو عوامی خدمت اور تعلیم کے فروغ کیلئے ہر وقت سرگرم عمل رہتے ہیں انہوں نے تاریخ کے گم گشتہ اوراق سے پروفیسر محمد حسن الاعظمی کی بازیافت کی اور اس مونوگراف کے ذریعہ عزیزِ گرامی عامر

فہیم نے ان کی بازیافت کی اور اپنی مبارک ومسعود کاوش سے یہ بتایا کہ واقعی 'جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر اعظم ہوتا ہے' اور اعظم گڑھ کی پہچان شبلی، مولانا اسلم جیراجپوری، محدث کبیر مولانا حبیب الرحمان اعظمی ،قاضی اطہر مبارکپوری ، بحرالعلوم مفتی عبد المنان اور علامہ ظفر ادیبی سے ہی نہیں ہوتی بلکہ ان کے ایک ہمسر وہم عصر پروفیسر محمد حسن الاعظمی بھی ہیں۔

مجھے امید ہے کہ عامر فہیم کی اس علمی کوشش سے پروفیسر اعظمی کے مطالعے کے نئے باب وا ہونگے اور ہم ایک دفعہ پھر پروفیسر محمد حسن الاعظمی کی علمی خدمات و تحقیق، ادبی اور لسانی خدمات سے واقف ہوسکیں گے۔

پروفیسر اختر الواسع
چیئرمین، خسرو فاؤنڈیشن نئی دہلی
وایمریٹس پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی
اور سابق صدر، مولانا آزاد یونیورسٹی جودھپور

باب اول

مبارکپور کی علمی وادبی شخصیات

اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ کا سب سے بڑا قصبہ مبارکپور جو سید راجہ مبارک شاہ مانک پوریؒ کے نام سے منسوب ہے پارچہ بافی کی صنعت کے لیے پورے ہندوستان میں مشہور ہے۔ یہ اپنی صنعت وحرفت کے علاوہ مشرقی علوم و فنون کا بھی اہم مرکز رہا ہے۔ اسی مبارکپور میں قدآور علما، ادباء وشعراء پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی خدمات سے دنیا بھر میں مبارکپور کو متعارف کرایا۔ مورخِ اسلام قاضی اطہر مبارکپوریؒ نے علمائے مبارکپور کے تصنیفی کارناموں کے حوالے سے اپنی کتاب ''تذکرۂ علماء مبارکپور'' میں لکھا ہے کہ ''اس ضلع میں بہت سے مردم خیز قصبات ودیہات ہیں۔ مگر کسی ایک قصبہ میں اتنے زیادہ مصنف پیدا نہیں ہوئے جتنے مبارکپور اور سواد مبارکپور میں گزرے ہیں اور اس وقت بھی پائے جاتے ہیں۔ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ پورے ضلع کا تصنیفی سرمایہ ایک پلے پر رکھا جائے اور علماے مبارکپور کے تصنیفی کارنامے دوسرے پلے پر رکھے جائیں تو ان کا پلہ بھاری ہوجائے گا'' (تذکرۂ علماء مبارکپور: طبع دوم ۲۰۱۰ صفحہ ۹۴)

پدم شری پروفیسر اختر الواسع، کے ذریعہ تحریر کردہ مضمون جو روزنامہ راشٹریہ سہارا (دہلی)، مورخہ ۹رمئی ۲۰۱۹ء وروزنامہ انقلاب (وارانسی)، مورخہ

۱۴/مئی ۲۰۱۹ء کو شائع ہوا میں مبارکپور کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ

''مبارکپور کے قصبے نے جن اکابر علماء اور عبقری شخصیات کو پیدا کیا ان میں مولانا عبدالعلیم حنفی مبارکپوری ،مولانا عبدالسلام مبارکپوری ،مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری ،مولانا حکیم الٰہی بخش مبارکپوری ،مولانا احمد حسین مبارکپوری ،ملا رحمت علی اسماعیلی مبارکپوری ،مولانا شکر اللہ مبارکپوری ،مشہور سیرت نگار اور اہلحدیث عالم مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری ،جامعہ اشرفیہ کے وابستگان میں ایک حضرت مولانا مظفر حسن ظفر ادیبی مبارکپوری اس قصبے کی علمی ،دینی عظمتوں کے ستون ہیں۔

ہمارے عہد میں مبارکپور کے قصبے کو ایک انتہائی اہم نابغۂ علم وعمل مؤرخ ، محقق جنہوں نے برسوں عروس البلاد ممبئی میں رہ کر اور روزنامہ انقلاب کے ذریعہ دینی رہنمائی کر کے کئی نسلوں کو علم و آگہی بخشی ،وہ تھے قاضی اطہر مبارکپوری صاحب ۔اگر مبارکپور نے صرف انہی کو پیدا کیا ہوتا تو وہ بھی اس کے فخر واعزاز کے لیے کافی تھا۔اعظم گڑھ کے لیے یہ کم اعزاز کی بات نہیں کہ بندول نے علامہ شبلی ،جے راجپور نے مولانا محمد اسلم جے راجپوری ،پھر یہا نے مولانا حمید الدین فراہی ،مئو نے محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن اعظمی اور مبارکپور نے قاضی اطہر مبارکپوری عالم اسلام کو ہی نہیں علمی دنیا کو عطا کیے''

مبارکپور شعر وادب کا گہوارہ بھی رہا ہے اور یہاں ہر دور میں بلند پایہ کے شعرا وادباء پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی شعری وادبی خدمات سے مبارکپور کو ایک الگ پہچان دی ہے جس کا اندازہ مبارکپور سے شائع ہونے والی کتاب ''صد رنگ'' کے مقدمے سے لگایا جا سکتا ہے۔جس سے مبارکپور کے شعراء وادبا ،اور مدارس کی خدمات کے ساتھ ہی یہاں کی صنعت کی خصوصیت کا بھی اندازہ لگایا

جاسکتا ہے۔

''یہ قصبہ ہمیشہ سے عربی علوم وفنون کا مرکز رہا ہے اور تشنگان علوم مشرقیہ زمزمِ علم سے سیراب ہونے کیلئے ہر سال یہاں ملک کے ہر ہر گوشے سے جوق در جوق آتے ہیں۔ یہاں چار مدارس اسلامیہ دارالعلوم اشرفیہ، احیاء العلوم، دارالتعلیم اور باب العلم مخصوص ومرکزی حیثیت رکھتے ہیں اور مبارکپور کی معاشرت کے یہی عناصر اربعہ بھی ہیں۔ یہاں کے باشندوں کے نظریات وعقائد از دمِ پیدائش تا وقتِ مرگ ان ہی چاروں محوروں کے گرد رقص کرتے رہتے ہیں۔ ان مدارس کے علاوہ جس نے مبارکپور کی شہرت میں سب سے زیادہ حصہ لیا وہ ہے یہاں کی مشہور صنعت پارچہ بافی۔ اس سرزمین پر سانس لینے والے ہزاروں انسان ایسی زرتار رِدائیں بنتے ہیں کہ سبک اندام حسینانِ ہند کے شانوں کو تار حریری کا بوجھ بھی محسوس نہیں ہونے پاتا۔ فنکارانِ مبارکپور کے ہاتھوں کی بنی ہوئی بنارسی ریشمی ساڑیوں کا رنگ چمک، دمک یکسانیت، ہمواری اور تناسب کو دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسے کسی بنکر کے کھردرے ہاتھوں نے بنا ہے، بلکہ وہ یہ سوچے گا کہ اس پارچۂ دل فریب کی لطافت یقیناً کسی الف لیلوی شاہزادی کی نرم ونازک انگلیوں کے لمس کی ہی رہین منت ہوسکتی ہے۔

اس مبارکپور نے جو علماء وفضلاء کا دینی مرکز، فنکاروں کا مولد اور اہل علم حضرات کی آماجگاہ ہے، خوش فکر وپر گو شعراء کے تین دور بھی دیکھے ہیں۔ دور اول ۱۸۶۴ء سے ۱۹۲۵ء تک کا زمانہ ہے۔ اس مدت میں منشی حبیب اللہ حبیبؔ، عبد اللہ شفا، قمر الزماں زماں، عبد الکریم عاشقؔ نمایاں رہے ہیں۔ دوسرا دور ۱۹۲۵ء سے شروع ہوتا ہے اور ۱۹۴۶ء پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں ممتاز ترین شعراء میں قاضی اطہرؔ مبارکپوری، تبسمؔ مبارکپوری، محمد حنیف رہبرؔ، مظفر حسن ظفر ادیبیؔ، محمد عثمان

ساحر۔ فقیر اللہ اسعد سیمابی، منشی سہدیورام کیف اور ایوب مبارکپوری ہیں۔ یہ دور مشاعروں، ادبی جلسوں اور نشستوں کیلئے زیادہ خوش گوار ثابت ہوا۔ دور اول کے مقابلے میں اس دور میں مشاعرے بھی زیادہ ہوئے اور سخن فہموں کی تعداد بھی بڑھی۔ تیسرا دور بڑے شدو مد، جوش وخروش اور نہایت عزم وحوصلہ کے ساتھ ۱۹۴۶ء سے شروع ہوا جو اب تک جاری ہے'' (صدرنگ ملخص از صفحات ۱۶ تا ۲۰)

اس کے علاوہ نذیر احمد فرازؔ جن کی غزلوں کا مجموعہ ''حرارتیں'' ۱۹۷۷ء میں اتر پردیش اردو اکادمی کے مالی تعاون سے شائع ہوا۔ مولانا محمد خلیل گوہرؔ جن کا نعتیہ مجموعہ ''سامان آخرت'' ۱۹۸۴ء میں فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کے ذریعہ شائع ہوا۔ مولانا قرأۃ العین فائقؔ مبارکپوری، علی مختارؔ مبارکپوری، علی حمادؔ مبارکپوری، ظہیر احمد مضطرؔ مبارکپوری، کوثرؔ مبارکپوری وغیرہ کی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مبارکپور میں ہر مکاتب کے مرکزی اداروں کی موجودگی اور ان مدارس کے ذریعہ پیدا کیے جانے والے علماء جو دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کے پیغام کو عام کررہے ہیں اور مبارکپور کی مذہبی وعلمی شخصیات جنہوں نے اپنی علمی لیاقت کی بنیاد پر پوری دنیا میں اپنا ایک الگ مقام بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معروف دانشور پدم شری پروفیسر اختر الواسع، صدر مولانا آزاد یونیورسٹی جودھپور وایمریٹس پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے ۲۰۱۴ء میں مبارکپور گرلس ڈگری کالج کی ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مبارکپور کی پہچان مدینۃ العلم کے طور پر کرائی۔

مبارکپور میں مدارس اسلامیہ کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم گاہیں بھی موجود ہیں جن میں مبارکپور گرلس ڈگری کالج، مبارکپور انٹر کالج، انصار گرلس انٹر کالج، اشرفیہ بوائز وگرلس انٹر کالج، احیاء العلوم بوائز وگرلس ہائر سکنڈری اسکول اور ملت

گرلس انٹر کالج، شبلی نیشنل نرسری اسکول اور مبارکپور پبلک اسکول وغیرہ ہیں جو مبارکپور کے طلباء و طالبات کو عصری تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کر رہے ہیں۔

محمد حسن الاعظمی کی پیدائش

پروفیسر محمد حسن الاعظمی اعظم گڑھ کے مبارکپور قصبہ جو علمی اور صنعتی اعتبار سے اپنا منفرد مقام رکھتا ہے، کے محلہ پورہ دیوان میں ۲۵/دسمبر ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے مگر پاسپورٹ و دیگر کچھ دستاویزات پر ۲۵/دسمبر ۱۹۱۸ء درج ہے۔ گھر کے افراد کے بقول پاسپورٹ بنواتے وقت عمر کم پڑ رہی تھی اسلیے ایسا ہو گیا۔

ابتدائی تعلیم

مبارکپور کے رسم و رواج کے مطابق پانچ چھ سال کی عمر میں پروفیسر محمد حسن الاعظمی کو ایک حافظہ صاحبہ کے توسط سے قرآن مجید ناظرہ پڑھایا گیا اور ختم قرآن کے ساتھ ہی اردو فارسی کی تعلیم دی جانے لگی، پروفیسر اعظمی کو جب کچھ شعور سا پیدا ہوا تو وہ اپنے آپ کو کبھی کبھی متوجہ کر کے مخاطب ہوتے کہ بغیر سمجھے بوجھے انہوں نے قرآن کیوں پڑھا ہوگا، اور بلا ضرورت اس سلسلہ میں اپنا وقت کیوں ضائع کیا ہوگا، اور جب اس قسم کے خیالات اعظمی صاحب کو زیادہ ستاتے تو اپنے استادوں سے دریافت کرتے اور یہ جواب پا کر کہ ثواب کی خاطر پڑھا جاتا ہے قدرے اطمینان ہو جاتا، رفتہ رفتہ یہ عامیانہ عقیدہ جڑ پکڑتا گیا۔ اردو فارسی کی تعلیم سے فراغت پاتے ہی مقامی مذہبی مدارس میں عربی کی تعلیم شروع کی۔

اس سلسلہ میں پروفیسر اعظمی نے اپنی کتاب **''المعجم الاعظم (عربی اردو لغات)'' جلد اول: ص:۶:** حرف آغاز میں تحریر کرتے ہیں کہ

''اردو فارسی کی تعلیم سے فراغت پاتے ہی مقامی مذہبی مدارس میں عربی شروع کی اور تیرہ چودہ سال کی عمر تک ایک ایسے نصاب کی تکمیل میں الجھا رہا جس کا جوہری جز بے ضرورت نحوصرف یونان کی فرسودہ منطق وفلسفہ پر مشتمل تھا جس میں چند ایسی مذہبی کتابیں ضرور شامل تھیں جو صرف مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اوران کے مختلف فرقوں کے درمیان تنفر وتعصب کی آگ بھڑکانے کا کام کرسکتی تھیں۔اسی تعلیم وتربیت کی کرامت یا برکت کہیے کہ یہاں کے مسلمانوں میں مناظرہ کا بازار ہمیشہ گرم رہتا اور بطور نتیجہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے خون سے ہولی کھیلتا دیکھتا تھا خدا خدا کرکے یہاں کی تعلیم ختم ہوئی اورعصری تعلیم کے حصول کی خاطر برہان پور (سی پی) کے حکمیہ ہائی اسکول میں اپنا داخلہ کرایا''

اس سلسلہ میں مہتاب پیامی اپنی کتاب ''بابائے عربی محمد حسن الاعظمی''(صفحہ نمبر ۲۰) میں ملا جعفر ابن فیاض حسین کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ''اعظمی صاحب جب مبارکپور آئے تھے تو انہوں نے بتایا تھا کہ وہ ایک اچھے خطاط بھی ہیں اوران کی تحریروں کا ایک یا دونمونہ مدرسہ دارالتعلیم میں اب تک حفاظت سے رکھا ہوا ہے۔''

خاندان

محمد حسن الاعظمی کے والد کا نام امداد علی تھا۔پروفیسر اعظمی اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ان کے بھائیوں میں علی حسین، محسن علی اور تین بہنیں آمنہ اور فاطمہ ایک بہن کا بچپن میں انتقال ہوگیا تھا۔آمنہ کی شادی محلہ پورہ صوفی میں فدا علی سے ہوئی تھی۔محمد حسن الاعظمی کی مبارکپور آمد ہوئی تو واپسی میں اپنی بہن آمنہ کو پاکستان لے کر چلے گئے۔

شادی خانہ آبادی

پروفیسر حسن الاعظمی کی کم عمری میں ہی مبارکپور میں ایک خاتون سے شادی بھی ہوئی مگر پروفیسر اعظمی کو تعلیم حاصل کرنے کا جنون تھا یہی وجہ تھی کی ان کی یہ شادی نبھ نہ سکی اور انہوں نے مبارکپور کو خیر باد کہہ دیا۔ پھر انہوں نے تاعمر شادی بھی نہیں کی۔ پرفیسر اعظمی کے قریب رہے پاکستان کے معروف ادیب و اسکالر شیخ راشد کے بقول کہ پروفیسر اعظمی نے ایک مرتبہ ان سے ذکر کیا تھا کہ تقسیم سے قبل ایک خاتون اعظمی صاحب سے شادی کرنے کی خواہش مند تھی مگر اعظمی صاحب نے اپنی علمی وادبی خدمات خاص طور سے عربی زبان کے فروغ کے مشن کی بنا پر معذرت کر دی تھی۔ ان خاتون کی شادی بعد ازاں بی بی سی اردو کے صحافی سے ہوئی۔

مذہب

پروفیسر محمد حسن الاعظمی یوں تو فرقۂ داؤدی بوہرہ کے پیروکار تھے مگر سیدنا سے ان کے اختلاف کی صورت میں کہا یہ جاتا ہے کہ انہیں سیدنا نے داؤدی بوہرہ فرقے سے خارج کر دیا تھا۔ سیدنا برہان الدین سے اختلافات کافی زوروں پر تھے۔ پروفیسر اعظمی کے سیدنا سے اختلافات علمی اور عملی دونوں طرح کے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پروفیسر اعظمی نے ۱۹۳۷ء میں ''انکشاف'' کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی تھی جس کا جواب ملا طاہر سیف الدین نے کراچی کے بوہرہ اکبر علی سیستان والے کے ذریعہ ''محقق'' اردو و گجراتی میں شائع کروایا تھا۔ اس کتاب کا جواب پروفیسر اعظمی نے ''خضر راہ'' نامی کتاب سے دیا جس کا جواب نہیں دیا گیا۔ پروفیسر اعظمی نے سربراہان قوم سے اختلافات کی مختصر داستان ''عظیم مصر'' میں تحریر بھی کی ہے۔

بہر حال پروفیسر اعظمی مذہب اسلام کے منفرد فرقوں کے اختلافات سے اوپر اٹھ کر وہ مسلمانوں کو ایک صف میں دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ اس کا اندازہ معمار مصر علامہ شیخ محمد مصطفی المراغی کو لکھے گئے عریضہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ جس کا ذکر پروفیسر اعظمی نے اپنی کتاب ''آزاد مصر'' (صفحہ نمبر ۳۵۲) میں اس طرح کیا ہے کہ:

''جامعہ ازہر سے عالمیہ کی ڈگری لینے کے بعد میں نے موجودہ ازہر پر ایک تنقیدی نظر ڈالی اور گہرے مطالعہ کے بعد شیخ مراغی کو ایک عریضہ پیش کیا۔ جس میں بعض خامیوں کی طرف ملتفت کر کے اہم ترمیموں کا مطالبہ کیا تھا اور ایک ایسے نصاب کی خواہش کی تھی جو مسلمانوں کے تمام فرقوں کے لیے یکساں مفید ہو۔ اور ہر فرقہ کے متفق علیہ علوم پر حاوی ہو۔'' مزید ان کی کتاب ''آزاد مصر'' (صفحہ نمبر ۴۶۱ تا ۴۶۳) میں ان کی فکری جہان کی نمائندگی کرنے والا ایک مضمون جو قاہرہ سے شائع ایک عربی کا کتاب میں شامل تھا، جس کا اردو ترجمہ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے جو ''مقالہ معتمدِ عمومی اخوت اسلامیہ قاہرہ'' موضوع کے تحت ہے، کا کچھ حصہ پیش خدمت ہے۔ اس مضمون سے بھی ان کی اعلیٰ فکر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

''مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک ایسا پاکیزہ اور مبارک درخت بھی ہے جس کی جڑ زمین کی گہرائیوں میں اور اس کی شاخیں آسمان کی پہنائیوں میں جا چکی ہیں۔ وہ درخت اسلام ہے جس کے بونے والے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پیروانِ اسلام کے درمیان کتنا ہی آپس میں اختلاف ہو پھر بھی وہ اسی درخت کی شاخیں ہیں۔ جب شاخیں علاحدہ ہو جائیں تو آندھیوں کا ایک جھونکا ان کی کلیوں اور پتوں کو گرا دینے کے لیے کافی ہوا کرتا ہے۔

دین اسلام کی غرض وغایت سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ انسانوں کے دلوں

میں محبت کا ایسا چشمہ موجزن ہو جائے جس کے ذریعہ آپ آخرت میں اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔

میری صدائے احتجاج کا مطلب یہ نہیں کہ فرقوں کو باطل قرار دیا جائے۔ یہ ایک امر محال ہے کہ وہ فرقوں کو محو ونیست ونابود کرنے کا تصور کرے، لیکن ہم اتنا ضرور کہتے ہیں کہ جب مختلف ادیان ومذاہب کے پیرووں کے امکان سے یہ چیز بعید نہیں کہ وہ ان تمام کو وطنیت کے نام سے اتحاد کے جذبات مصلحتِ عام کے دعوے کے ذریعہ جمع کر دیں تو کیا یہ امر ممکنات سے نہیں کہ مختلف مسلمانوں کے فرقوں کو وحدتِ دینیہ کے نام سے ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا جائے؟ لہٰذا مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہوگا کہ مسلمان اپنے قدیم بغض وعناد کی زنجیروں کو پاش پاش کر دیں اور آپس میں حسن سلوک، حسنِ معاملہ واتحاد کا مظاہرہ کریں۔ اس کے بعد خود بخود ہر شخص کو یہ قدرت حاصل ہو جائے گی کہ وہ اپنے بھائی کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرے اور اس کی غلطی سے آگاہ کرے۔ اور اگر وہ باطل ہے تو عقل کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو نرمی اور شفقت سے اس کی غلطیوں سے آگاہ کرے نہ کہ اس سے جنگ وجدل کا پیرایہ اختیار کرے۔ جب اس کی کدورتیں دور ہو جائیں گی اور صفائی و پاکیزگی کے جذبات سے سینے معمور ہو جائیں گے تو آپس میں فہمائش کا طریقہ اور کامیابی کا راستہ آسان ہو جائے گا۔'' (''آزاد مصر'' صفحہ نمبر ۴۶۱ تا ۴۶۳)

قائد اعظم لائبریری کے ادبی مجلہ ''دور جدید مخزن لاہور'' کے جلد ۲ شمارہ ۲، ۲۰۰۲ء (صفحہ نمبر ۵۳) میں پروفیسر اعظمی کے شاگرد محمد حمزہ فاروقی نے ''پروفیسر محمد حسن الاعظمی الازہری'' کے تحت لکھا ہے کہ:

''اعظمی صاحب نے نصابی ضرورت کے تحت قرآنی قصص آسان عربی میں لکھے تھے۔ ان کا مذہب کا مطالعہ بھی خاصا وسیع تھا لیکن وہ کبھی مذہبی مباحث یا فرقہ

واریت کے جھگڑوں میں نہ پڑے تھے۔ سچ پوچھیے تو ان کا مذہب عربی زبان تھا۔''

پروفیسر اعظمی عالم اسلام کا اتحاد اور مسلم ممالک کے درمیان تعلق کا استحکام کے خواہش مند تھے۔ اس سلسلہ میں رئیس احمد جعفری پروفیسر اعظمی کی کتاب ''عظیم مصر'' **(ص:۱۰ تا ۱۱، کراچی، اپریل ۱۹۸۱) میں** پروفیسر اعظمی کے تعارف میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''اعظمی صاحب کی دلی تمنا تھی کہ عالم اسلام میں عربی تمدن، عربی تہذیب اور عربی ثقافت کو فروغ حاصل ہو۔ اسی مقصدِ عظیم وجلیل کے لیے انہوں نے اپنے مستقبل کی حوصلہ مندیوں کو قربان کر دیا۔ وہ بڑی آسانی سے کسی کالج یا یونیورسٹی میں لکچرر یا پروفیسر ہو سکتے تھے، اور اس طرح بغیر کسی پریشانی کے اطمینان و آسائش کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکتے تھے، لیکن یہ راستہ انہوں نے اختیار نہیں کیا۔ انہوں نے ایثار وقربانی کی راہ کو ترجیح دی۔ ذہن ودماغ کی ساری صلاحیتیں اور اقدام وعمل کی پوری قوت انہوں نے اسی میدان میں صرف کردی۔ انہیں نہ دولت چاہیے تھی نہ ثروت، نہ جاہ ومنزلت، صرف ایک چیز جو ان کی زندگی کا مقصد بن چکی تھی اور وہ تھی عالم اسلام کا اتحاد اور مسلم ممالک کے درمیان تعلق کا استحکام۔''

کچھ دور جا کر رئیس جعفری یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

''پاکستان کے قیام نے مسلمانوں میں ایک نیا ولولہ پیدا کردیا۔ اعظمی صاحب نے وقت کی اس لہر کو پہچانا اور مصروفِ کار ہو گئے۔ انہوں نے انتھک کوششیں ''موتمر اسلامی'' کے قیام میں صرف کردیں ان کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج ''موتمر اسلامی'' ممالکِ اسلامیہ وعربیہ کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ مصر میں اعظمی صاحب نے زندگی کے کئی سال صرف کیے، ایک مسافر اور ایک سیاح کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مفکر کی حیثیت سے وہاں رہ کر انہوں نے وہاں کے اتار چڑھاؤ،

سیاسی، سماجی اور تہذیبی کوائف کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ انہوں نے لکھا کم اور سوچا زیادہ، اسی لیے ان کی تحریر میں روانی سے زیادہ وزن ہے۔ انہوں نے مصر کے ماضی وحال پر جس ژرف نگاہی سے روشنی ڈالی ہے، وہ ان ہی کا حصہ ہے۔''

تعلیمی سفر

پروفیسر محمد حسن الاعظمی نے مبارکپور کے مذہبی مدارس سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد عصری تعلیم کے حصول کی خاطر برہان پور (سی پی) کے حکمیہ ہائی اسکول میں اپنا داخلہ کرایا اور انگریزی وعلوم ریاضیہ کے ساتھ ساتھ یہاں کے شعبۂ عربی میں داخل ہوکر زیادہ وقت عربی تعلیم میں صرف کرنے لگے۔ باوجود انتہائی محنت کے، اور ہر امتحان میں اول آنے کے، برابر محسوس کرتے کہ اب تک عربی نہیں آئی، یہاں کے پنج سالہ اقامت میں ایک طرف تو میٹرک تک انگریزی کا نصاب پورا کیا اور دوسری طرف ''عربی درس'' کی نصابی کتابیں ختم کرڈالیں۔ اسی دوران عربی قواعد پر ایک ضخیم کتاب بھی اعظمی صاحب نے تصنیف کرڈالی لیکن اعظمی صاحب کو بار بار یہی محسوس ہوتا تھا کہ اب تک عربی زبان پر دست رس حاصل نہیں ہوئی۔ گجرات کے تاریخی شہر ''سورت'' جہاں ''سیفی درس'' یا جامعہ سیفیہ اپنی طرز کی تنہا درسگاہ تھی جہاں اس زمانے میں یمن، عدن اور عرب ممالک کے پچاسوں طلبہ تعلیم پاتے تھے اور یمن کے کئی اساتذہ بغرض تدریس و تربیت متعین بھی تھے۔ اعظمی صاحب اُس جامعہ کے نظام تعلیم میں ایک خاص جاذبیت پاکر سورت پہنچے اور چار سال کی جدوجہد سے اس قابل ہوئے کہ کچھ عربی لکھ پڑھ اور بول سکیں۔ وہاں کے آخری امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد حج کے موقع پر حجاز کا رخ کیا اور مختلف ممالک عربیہ کے علماء وادباء سے

شرف نیاز کا موقع ملا۔ واپسی کے بعد یہ فیصلہ کرلیا کہ جامعہ ازہر ہی جا کر عربی کا شوق پورا کیا جاسکتا ہے۔ اسی شوق کی تکمیل کیلئے پروفیسر اعظمی اسلامی مملکت حیدرآباد دکن بھی پہنچے تا کہ ان حضرات سے مشورہ لے سکیں جن کی اعلیٰ تعلیم مصر میں ہوئی ہے۔ دوسرا مقصد کتب خانۂ آصفیہ سے استفادہ کرکے ازہری نصاب کے ایک حصہ کا مطالعہ کرنا بھی تھا۔ حیدرآباد میں ایک سال قیام کرنے کے بعد بمبئی گئے اور مصر جانے کی تیاریوں میں منہمک ہوگئے۔ جامعہ ازہر میں داخل ہونے سے پہلے عراق کے مشہور شہروں کا دورہ کرکے وہاں کے علماء سے تبادلۂ خیال بھی کیا اور پھر فلسطین اور شرق الاردن ہوتے ہوئے قاہرہ پہنچے۔

جامعہ ازہر سے الشهادة العالمية کی ڈگری ۱۹۳۸ء میں حاصل کی جس کی حیثیت ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے مساوی تھی۔ واضح رہے کہ غیر مصریوں کیلئے یہ آخری سند تھی اور اس کا نصاب بارہ سال کا تھا اس ڈگری کے حاصل کرنے والے کو ازہری اصطلاح میں من علماء الازہر کہا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں پروفیسر اعظمی نے مبارکپور آمد کے دوران مؤرخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوری کو لکھے گئے خط مورخہ ۱۹ر نومبر ۱۹۸۰ء میں تحریر کیا ہے کہ ”میں اپنے وطن کو ساڑھے تیرہ سال کی عمر میں تحصیل علم کی خاطر خیرباد کہا اور ہند کے عربی نصابوں کو مختلف ذرائع سے مکمل کرکے ۱۹۳۸ء میں شہرۂ آفاق ازہر یونیورسٹی سے الشهادة العالمية مساوی ڈاکٹریٹ کی سند امتیاز حاصل کیا جس کے امتحان میں ایک سو گیارہ علماء عالم اسلام نے شرکت کی تھی۔ تیرہ کامیاب ہونیوالوں میں تین درجۂ اول میں تھے اور میں بھی ان میں سے تھا۔ بقیہ بارہ اہل زبان عرب تھے اس لیے مجھے قاہرہ یونیورسٹی کے شعبۂ ایم اے میں پروفیسر کیلئے منتخب کرلیا گیا تھا۔ اور مجھ سے قبل کسی (ہندی) کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہوا تھا۔“

اسی سلسلہ میں سر عبد القادر، چیف جسٹس بھاولپور وسابق مدیر رسالہ مخزن لاہور (جنہوں نے کلیات اقبال کا مقدمہ لکھا ہے) نے پروفیسر حسن الاعظمی کی کتاب الحیاۃ والموت فی فلسفۃ اقبال میں پروفیسر اعظمی کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ:

''آپ اعظم گڑھ (یوپی) کے رہنے والے ہیں، ہندوستان میں علومِ مشرقی کی تحصیل کے بعد شوقِ علم اُنہیں کشاں کشاں مصر کو لے گیا۔ وہاں جامعۂ ازہر میں مدارجِ علمی طے کرتے ہوئے قاہرہ کی مشہور یونیورسٹی کے پروفیسر ہو گئے اور اُنہوں نے عربی زبان میں یہاں تک دسترس حاصل کی کہ اُن کی عربی تحریریں وہاں کے اخباروں اور ادبی رسالوں میں مقبول ہونے لگیں۔ اس کے بعد اُنہوں نے بہت سی کتابیں عربی میں تصنیف کیں، جو نگاہِ پسندیدگی سے دیکھی گئیں۔ اُن کتابوں میں ''شرحِ دیوانِ الامیر تمیم الفاطمی'' سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کتاب کو حکومت مصر نے ازہر وقاہرہ کی ہزار سالہ جوبلی کے جشن کے لئے شائع کرنے کا تصفیہ کیا ہے''

پروفیسر اعظمی کی ہی کوششوں سے جامعہ ازہر میں اردو کا شعبہ قائم ہوا اور اعظمی صاحب ہی اس کے پہلے پروفیسر ہوئے۔ اس کے علاوہ سیکڑوں کتابیں پروفیسر اعظمی کی شائع ہوئی۔ ۱۰۱ کتب کی اشاعت کے بعد ہی تنظیم اتحاد العالم الاسلامی کے سالانہ جلسہ میں اُنہیں ''بابائے عربی'' کے خطاب سے نوازا گیا۔ اعظمی صاحب ماڈرن عربک کالج کراچی کے پرنسپل بھی رہے اور وہ ایک عالمی عربی یونیورسٹی کی تشکیل کرنے کے متمنی بھی تھے جہاں میڈیکل وسائنس اور انجینئر نگ وغیرہ کالجوں میں جدید نصابوں کے ساتھ عربی کی تدریس لازم رہے۔ پروفیسر اعظمی مختلف تنظیموں اور اداروں سے منسلک رہے جس کی مکمل تفصیل آگے بیان کی جائیگی۔

شخصیت اور مزاج

اعظم گڑھ کے علمی و صنعتی قصبہ مبارکپور کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہونے والے پروفیسر محمد حسن الاعظمی جنہوں نے حصول علم کے لیئے ساڑھے تیرہ برس کی عمر میں مبارکپور کو خیر باد کہا اور مختلف جگہوں سے ہوتے ہوئے مصر پہنچے اور شہرۂ آفاق ازہر یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کے مساوی ڈگری حاصل کر پروفیسر ہوئے۔ سیکڑوں کتابیں اردو اور عربی کی تصنیف کیں اور جامعہ ازہر میں اردو شعبہ کا قیام کیا ساتھ ہی ساتھ کئی تنظیم و اداروں سے منسلک رہے ان کارناموں نے پروفیسر اعظمی کو علمی اور ادبی دنیا میں سرفہرست مقام عطا کیا۔ پروفیسر اعظمی کے انہی اہم کارناموں نے انہیں عالمی سطح پر مقبول کر دیا۔

قائد اعظم لائبریری کے ادبی مجلہ ''دور جدید مخزن لاہور'' کے جلد ۲ شمارہ ۲، ۲۰۰۲ء کے ص:۵۱ پر پروفیسر اعظمی کے شاگرد محمد حمزہ فاروقی اپنے مضمون ''پروفیسر محمد حسن الاعظمی الازہری'' میں لکھتے ہیں کہ:

''۱۹۶۲ء میں جب کالج میں زیر تعلیم تھا تو اس وقت عربی سیکھنے کی دھن سمائی۔ اس ضمن میں جن عجیب وغریب تجربات سے واسطہ پڑا، ان کا تذکرہ لطف سے خالی نہ ہوگا۔ جب جذبہ شدید اور ''خود شناسی'' عام ہو تو ان کا امتزاج عجب گل کھلاتا ہے۔

اُن دنوں پروفیسر حسن الاعظمی بندر روڈ واقع اورنگزیب مارکیٹ کے چند کمروں میں عربی کا چراغ روشن کیے ہوئے تھے۔ یعنی عربک کالج قائم کیے ہوئے تھے۔ پروفیسر صاحب روایتی انداز سے ہٹ کر ڈائریکٹ میتھڈ کے ذریعے سے عربی بولنا اور لکھنا سکھاتے تھے اور اس ضمن میں انہوں نے بہت سے اچھوتے اور

منفرد تجربات کیے تھے۔ نصابی ضرورت کے لیے خود کتابیں لکھیں اور چھپوائیں۔

اعظمی صاحب کی شخصیت دلچسپ اور باغ و بہار تھی۔ پڑھانے کا انداز بھی روش عام سے ہٹ کر تھا۔ ان کی تدریس کے ''جمہوری'' انداز میں طلبہ کو کھل کر کھیلنے کا موقع ملتا اور عربی کو پٹڑی سے اتار کر ادھر ادھر کی باتوں میں پیریڈ تمام کر دیتے۔ مثلاً عربی میں جملہ بنواتے ہوئے آپ طلبہ کے والدین کو شامل کر دیتے۔ جب تک ان بے چاروں کی عربی کمزور اور اخلاق مضبوط رہتا، وہ پروفیسر صاحب کے احکامات کی بے چوں و چرا تعمیل کرتے رہتے لیکن جب اخلاقی بندھن کمزور اور عربی مضبوط ہوتی تو طلبہ اپنے جملوں میں پروفیسر صاحب کے والدین یا دیگر رشتہ داروں کو داخل کر دیتے۔ آپ اس پر ہنس دیتے اور فرماتے کہ اس طرح ان کم بختوں کو صحیح عربی بولنی تو آ گئی۔

آگے محمد حمزہ فاروقی مزید لکھتے ہیں کہ

''سبق کے دوران بیتے ہوئے واقعات یا وہ زمانہ جو انہوں نے مصر یا الازہر میں بسر کیا تھا، کا تذکرہ بھی جاری رہتا۔ خود ادھیڑ عمر کے ہونے کے باوجود غیر شادی شدہ تھے لیکن ان طلبہ کو جو اعلیٰ تعلیم کے لیے مصر جانا چاہتے تھے، حسینان مصر کے چلتروں سے بچنے کی تلقین فرماتے لیکن اس نصیحت میں بھی ترغیب و تحریص پوشیدہ ہوتی۔ میں نے ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ مصر یا الازہر میں اعلیٰ تعلیم کے حصول سے نازنینان مصر کا کیا تعلق؟ جواب میں فرمایا کہ تعلق تو میری سمجھ میں بھی نہیں آتا لیکن ان کا تصور دل مرد مومن کو زندہ رکھتا ہے اور تذکرے سے دل ''پشوری'' ہو جاتا ہے۔ ویسے اعظمی صاحب کی حسینان مصر سے متعلق معلومات قصہ یوسف و زلیخا اور داستان قلوپطرہ تک محدود تھیں ورنہ عملی زندگی میں آپ بہت سادہ اور معصوم انسان تھے۔ آپ عظیم آدمی تھے۔ منافقت اور مصلحت اندیشی

سے بہت دور تھے۔ جو دل میں ہوتا فوراً زبان پر آجاتا۔''

کچھ دور چل کر محمد حمزہ فاروقی نے ان کے رہنے سہنے اور پہناوے پر بھی تبصرہ کیا ہے ملاحظہ ہو:

''میں جب ان سے ملا اور ان سے عربی پڑھی تو بہت سادہ وضع قطع پایا۔ ان کا جسم بھاری، رنگت گندمی اور چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔عموماً قمیص ، پتلون یا بش شرٹ میں ملبوس ہوتے۔ کسی تقریب میں شرکت کے وقت شیروانی اور پاجامے کو زحمت دی جاتی۔اعظمی صاحب جیسے خود ''استری'' سے بے نیاز رہے، ویسے ہی ان کے کپڑے بھی استری سے بے نیاز رہتے تھے۔دعوتوں میں کبھی اکیلے نہیں جاتے بلکہ ہمیشہ اپنے شاگردوں کے ساتھ شریک ہوتے۔ان کے احباب ہمیشہ ان کے استقبال کے لیے تیار رہتے لیکن کبھی اگر ہجوم دوستاں جلوس کی شکل اختیار کر لیتا تو میز بانوں کی پریشانی دیکھنے کے لائق ہوتی''

یوں تو اعظمی صاحب نے اردو کے فروغ میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے جس کی تفصیل آگے پیش کی جائیگی مگر عربی کے سلسلے میں اعظمی صاحب کا غلو اس قدر تھا کہ اعظمی صاحب نے عربی کو پاکستان کی قومی و سرکاری زبان بنانے کی تجویز پیش کی۔عربی کو قومی زبان بنانے کے لیے اسٹیٹ بینک گورنر زاہد حسین بھی اعظمی صاحب کی تحریک میں شامل تھے۔مولوی عبدالحق اور دیگر اصحاب نے اس تجویز کی شدید مخالفت کی۔

پاکستان کے قائدین جن میں سردار عبدالرب نشتر، فضل الرحمٰن اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی جو مرکزی کابینہ میں وزیر تھے، نے اعظمی صاحب سے چند ماہ تک عربی سیکھی۔

اعظمی صاحب کا اغوا

پروفیسر اعظمی کو عربی کا ادارہ قائم کرنے اور اپنی تصانیف کے دوسرے ایڈیشن شائع کرانے کا جنون تھا، چنانچہ جو کوئی بھی اس کام کو کرنے کا جھانسہ دیتا اعظمی صاحب اسے اپنا ہمدرد سمجھنے لگتے جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی افراد نے اعظمی صاحب کو نقصان پہنچایا۔ پروفیسر اعظمی کے قریب تر رہنے والے پاکستان کے معروف ادیب واسکالر شیخ راشد کے بقول کہ:

''اعظمی صاحب اپنی سادگی کی وجہ سے بہت سے دھوکے بھی کھائے۔ایک آدمی ان کا پورہ کتب خانہ فیصل آباد لے کر چلا گیا تھا۔''

پروفیسر اعظمی کی شرافت اور بہت جلد کسی پر بھروسا کر لینا ان کے لیے کافی نقصان دہ ثابت ہوا۔اور انہیں مالی نقصان کے ساتھ ہی مختلف اذیتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا، مفاد پرستوں کے ذریعہ اعظمی صاحب کا اغوا کر قید کرنے کے ساتھ ہی ان پر تشدد بھی کیا گیا۔اور انہیں قتل کرنے کی کوشش بھی ہوئی۔ان واقعات کی تفصیل ہفتہ روزہ تکبیر کراچی کے ۲۷ نومبر تا ۳ دسمبر ۱۹۹۲ء کے ایڈیشن میں پروفیسر اعظمی کے برادرزادہ محمود اور چھوٹے بھائی یوسف کے حوالے سے عبدالمتین فاروقی کی ایک خصوصی رپورٹ کے طور پر شائع ہوئی اور ساتھ ہی پاکستان کے انگریزی اور اردو روزناموں میں بھی خبریں شائع کی گئیں۔

اخبارات میں شائع تفصیلات کے مطابق پروفیسر اعظمی اپنے چھوٹے بھائی اور بھتیجے و دیگر فیملی کے ممبران کے ساتھ کافی عرصہ سے کراچی کے بہادر آباد مکان نمبر ۳۰۲ میں رہائش پذیر تھے چونکہ اعظمی صاحب خاندان کے سربراہ تھے اس لیے تمام جائیداد ان کے نام پر تھی۔اس دوران ان کی عمر بھی ۸۷ برس ہو گئی تھی اور

سماعت بھی کم ہوگئی تھی۔ اعظمی صاحب کو حکیم سید علی نصر عسکری اور ان کی بیوی ڈاکٹر نگہت فاطمہ ہمدانی نے اغوا کیا جو وہیں پر ایک کلینک بھی چلاتے تھے۔ ۱۹۸۸ء میں نزہت پروین جو پروفیسر اعظمی کی تنظیم کی لیڈیز ونگ کی انچارج تھیں، نے پروفیسر صاحب کو بہکا کر ہزاروں روپے کی رقم کا غبن کیا، معاملہ تھانے تک پہنچا اور بالآخر کسی طرح رفع دفع ہوا۔ نومبر ۱۹۹۱ء میں دوشیزہ ڈائجسٹ کی ایڈیٹر سیما غزل اور ان کے عراقی شوہر ڈاکٹر فواد عراقی نے پروفیسر اعظمی کے گھر آنا جانا شروع کیا۔ پروفیسر اعظمی نے اپنے بنگلے کا ایک کمرہ ان دونوں میاں بیوی کو عربی پڑھانے کیلئے دیا تھا، ان دونوں نے بھی اعظمی صاحب کو کتابوں کی اشاعت اور عربی ادارے کے قیام کا جھانسہ دیا اور بالآخر پروفیسر صاحب کو مبینہ طور پر اپنے ساتھ لے گئے اور ایک فلیٹ واقع گلشن اقبال میں رکھا، یہاں ان افراد نے پروفیسر صاحب پر تشدد کیا، پروفیسر اعظمی کو جان سے مارنے کے لیے زہریلے انجکشن بھی لگائے گئے اور مکان کے کاغذات پر زبردستی دستخط کرانے کے ساتھ ہی جان سے مارنے کی دھمکی دے کر سب رجسٹرار سٹی کورٹ کے سامنے اقرار کروایا کہ میں نے مکان کی ساری رقم وصول کر لی ہے۔ اس دوران ڈاکٹر فواد عراقی نے جوائنٹ اکاؤنٹ سے ۷۵۰۰۰ روپے کی رقم اور ان کی بیوی سیما غزل نے ۱۲۰۰/ امریکی ڈالر نکلوائے۔ اس کے بعد بھی ہزاروں کی رقم یہ افراد نکلواتے رہے۔ واضح رہے کہ پروفیسر اعظمی کے اکاؤنٹ میں ہر سال مصری حکومت ان کی کتابوں کی رائلٹی ڈالر کی شکل میں بھجواتی تھی۔

اس کے بعد پروفیسر اعظمی کے گھر واقع بہادر آباد میں وہ لوگ آئے اور گھر خالی کروانے کا دباؤ بنانا شروع کیا، جس کی اطلاع گھر کے افراد نے تھانہ بہادر آباد کے ایس ایچ او کو دی، جنہوں نے سارا واقعہ اچھی طرح سمجھا اور بڑی دیانت داری

سے حل کرانے کی کوشش بھی کی، یہی وجہ تھی کہ فواد عراقی اور سیما غزل کو وہاں سے فرار ہونا پڑا۔

۴؍فروری ۱۹۹۲ء کو مسمات سلطانہ نے چند افراد کے ساتھ اپنے آپ کو سرکاری افسر بتاتے ہوئے پھر سے مکان خالی کرانے اور تالا لگانے کی کوشش کی، اس وقت پروفیسر اعظمی کے گھر میں شادی ہورہی تھی، اس لیے پریشانی کے عالم میں ایس ایچ او، بہادر آباد کو پھر اطلاع دی گئی، اور پولیس موقع پر آکر ان تمام افراد کو جن میں حسن عباس نقوی بھی تھے جو اپنے آپ کو سرکاری افسر اور قانونی مشیر وزیر اعلیٰ بتارہے تھے تھانے لے گئی، اس شخص نے ایس ایچ او کو بتایا کہ یہ مکان میں نے اعظمی صاحب سے ۱۱؍لاکھ روپے میں خرید لیا ہے۔ حسن عباس نقوی نے اپنے سرکاری اثر و رسوخ کا ایس ایچ او پر دباؤ ڈالنا چاہا مگر ایس ایچ او نے کسی سرکاری دباؤ کی پرواہ کیے بغیر معاملہ کو عدالت کے حوالے کیا۔ دوسری جانب حکیم سید علی نصر عسکری اور اس کی بیوی نگہت فاطمہ نے اغوا کر کے اپنے مطب واقع رمپا پلازہ میں رکھا تھا اور پروفیسر اعظمی کی رہائی کے لئے ۶۰؍ہزار روپیہ کی مانگ کررہے تھے۔ اس طرح کے واقعات سے تنگ آکر پروفیسر اعظمی کے اہل خانہ نے حکومت سے ایسے لوگوں سے نجات دلانے اور ان کے خلاف کاروائی کا مطالبہ کیا جو بار بار اعظمی صاحب کا اغوا کر ان پر تشدد کرنے کے ساتھ ہی رقم ہتھیانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں پروفیسر حسن الاعظمی نے خود ۶؍فروری ۱۹۹۳ء کو ایک پریس کانفرنس کے ذریعہ حکوت سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کی جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنانے کیلئے مؤثر اقدامات کرے۔ اس پریس کانفرنس میں یہ بھی وضاحت کی گئی کہ انہیں اغوا کرنے والی خاتون اور اس کے عراقی شوہر و دیگر دو افراد کو جنہوں نے

انہیں اغوا کیا تھا، صدر پاکستان کی مداخلت پر ان کے خلاف مقدمہ تو درج کر لیا گیا۔ لیکن انہیں پولیس نے گرفتار کر عدالت میں پیش کرنے کے بجائے خود رہا کر دیا۔ جس کی وجہ سے وہ پھر سے سرگرم ہو گئے اور دوبارہ اغوا کرنے اور جان سے مارنے کی دھمکی دینے لگے ہیں۔ یہی نہیں رمپا پلازہ میں قائم کردہ مرکز اتحاد العالم الاسلامی کے گرد و پیش پر اسرار افراد بھی گھومتے رہتے ہیں۔ اس پریس کانفرنس کی خبریں ۷ رفروری ۱۹۹۳ء کو اخبارات میں شائع ہوئیں اور پروفیسر اعظمی نے صدر پاکستان اور وزیر اعظم سے شکایت بھی کی جس پر پاکستانی حکام حرکت میں آ گئے اور بہادر آباد پولیس نے مارچ ۱۹۹۳ء میں دوشیزہ ڈائجسٹ کی ایڈیٹر سیما غزل اور ان کے عراقی شوہر ڈاکٹر فواد عراقی کو گرفتار کر لیا۔ ان دونوں کے علاوہ دیگر افراد کی بھی تلاش جاری کی گئی۔ سیما غزل اور ان کے شوہر ڈاکٹر فواد عراقی و دیگر پر بہادر آباد میں اغوا کرنے لوٹ پاٹ، پیسے ہتھیانے اور جان سے مارنے کی کوشش کرنے وغیرہ کی دفعات میں مقدمہ درج کیا گیا تھا، جبکہ جانچ میں ڈاکٹر فواد عراقی پر ملک دشمن سرگرمیوں میں شامل ہونے اور غیر قانونی طور پر پاسپورٹ بنوا لینے کا بھی معاملہ سامنے آیا۔

اسی سلسلہ میں ۳۱ر مارچ ۱۹۹۳ء کو عالمی تنظیم اتحاد العالم کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں تنظیم کے صدر و پرنسپل عربی کالج پروفیسر محمد حسن الاعظمی ازہری کے اغوا، مبینہ تشدد اور لاکھوں روپے ہتھیانے والے گروہ کے ملزموں کی گرفتاری پر پولیس کی کارکردگی کو سراہا گیا۔ تنظیم کی جانب سے ایک پریس نوٹ جاری کر کے تنظیم کے عہدیداران وممبران نے صدر تنظیم پروفیسر حسن الاعظمی کو تنظیم کے عہدیداروں اور قانونی مشیر سے ملنے نہ دیے جانے پر شدید رد عمل کا اظہار بھی کیا اور اعلیٰ حکام کی فوری مداخلت کی اپیل بھی کی۔

اس پورے معاملات کی خبریں پاکستان کے اردو اور انگریزی اخبارات میں شائع ہوئیں جن میں روزنامہ امن کراچی ،روزنامہ آغاز کراچی ،روزنامہ نوائے وقت، کراچی ،روزنامہ مشرق ایوننگ کراچی ،روزنامہ جنگ کراچی ،ہفتہ روزہ تکبیر کراچی ،انگریزی روزنامہ دی اسٹار کراچی ودیگر اخبارات ورسائل کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

مبارکپور آمد

جیسا کہ یہ پہلے ہی واضح ہو چکا ہے کہ پروفیسر حسن الاعظمی نے کم عمری میں ہی حصول علم کی خاطر مبارکپور کو خیر باد کہا اور ۱۹۳۸ء میں جامعہ ازہر سے ڈاکٹریٹ کے مساوی ڈگری حاصل کی اور پروفیسر بھی ہوئے۔اس دوران انہوں نے ہندوستان کا دورہ بھی کیا جس کا ذکر سر عبد القادر نے پروفیسر حسن الاعظمی کی کتاب الحیاۃ والموت فی فلسفۃ اقبال میں پروفیسر اعظمی کے تعارف میں کیا ہے:

''اعظمی صاحب اپنی یونیورسٹی سے رخصت لے کر لیبیا کی جنگ سے کچھ عرصہ پہلے اس غرض سے ہندوستان میں آئے تھے کہ اپنی سوسائٹی کی شاخیں ہندوستان میں قائم کریں۔اور اہل ہند سے دوستی پیدا کرنے کا جوشوق انہوں نے مصریوں میں پیدا کیا ہے،اس کا جواب ادھر سے بھی شروع ہو،تا کہ یہ رابطہ دونوں ملکوں کو نفع بخشے۔مگر اتفاق یہ ہوا کہ اُن کے آنے کے بعد جلد ہی جنگ کی شدت زیادہ ہوگئی اور بحری راستے بڑی حد تک مسدوس ہو گئے۔اس طرح انہیں دیر تک یہاں ٹھہرنا پڑا۔ممکن ہے کہ انہیں اپنے وہاں کے فرائض کی زیادہ کشش ہو،لیکن ان کا یہاں رہنا ان مقاصد کے لیے جو اعظمی صاحب کے پیش نظر ہیں مفید ثابت ہورہا ہے۔'' (الحیاۃ والموت فی فلسفۃ اقبال ص:۷،۸ سن اشاعت ۱۳۶۵ھ)

اعظمی صاحب نے یہ دورہ غالباً ۱۹۴۱ء یا ۱۹۴۲ء میں کیا تھا کیونکہ اس دوران مبارکپور بھی آئے تھے۔ جس کا ذکر مؤرخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی غیر مطبوعہ خودنوشت سوانح ''کاروان حیات: از فراغت تعلیم تا قیام بمبئی'' میں کیا ہے۔ جسے ماہنامہ ضیاء الاسلام، شیخو پورہ اعظم گڑھ کے قاضی اطہر مبارکپوریؒ نمبر اگست تا ستمبر ۲۰۰۳ء میں شائع کیا گیا ہے۔ قاضی صاحب کی اس خودنوشت سوانح میں صفحہ نمبر ۴۴ پر درج ہے کہ

''اسی زمانہ میں پروفیسر محمد حسن الاعظمی ازہری اپنے وطن مبارکپور آئے، اور انہوں نے یہاں رابطۃ الادباء کے نام سے ایک علمی انجمن قائم کی، اور طے پایا کہ اس انجمن کی طرف سے ایک ماہوار قلمی رسالہ عربی زبان میں نکالا جائے تاکہ طلبہ و مدرسین کو عربی زبان لکھنے کی مشق ہو۔ اس رسالہ کی ادارت میرے ذمہ تھی، چند نمبر نکل سکے جن میں اساتذہ کے مضامین عربی میں ہوتے تھے''

دوسری بار جب پروفیسر اعظمی ۱۹۸۰ء میں مبارکپور میں تشریف لائے تو اعظمی صاحب مؤرخ اسلام قاضی اطہرؔ مبارکپوری کے گھر پر تشریف لے گئے قاضی صاحب ان دنوں بمبئی میں تھے۔ پروفیسر اعظمی نے ''مبارکپور کا خوش کن انقلاب'' کے تحت ایک تحریر لکھی جسے قاضی صاحب کے فرزند کے حوالے کی جسمیں انہوں نے لکھا کہ:

''مسلمانانِ ہند پر جامع کتاب تالیف کرنے کی خاطر اکتوبر ۱۹۸۰ء میں علمی دورہ کرتا ہوا انتالیس سال بعد اپنی جائے پیدائش مبارکپور پہونچا تو اسکی معاشی وعلمی ترقی دیکھ کر باغ باغ ہوگیا اور قدیم ہم وطن آشنا محقق مؤلف قاضی اطہر صاحب کی تلاش کی تو معلوم ہو کہ بمبئی میں ہیں لیکن انکے برادر خورد قاضی حیات صاحب اور فرزند ارجمند مولوی ظفر مسعود نے والہانہ اور مخلصانہ مرحبا کر کے دعوتیں

دیں، اور ممکنہ تعاون کر کے حقائق سے آگاہ کیا۔"

قاضی اطہر مبارکپوری کی خودنوشت سوانح میں اعظمی صاحب کی آمد کے ذکر اور ۱۹۸۰ء کی اعظمی صاحب کی تحریر سے واضح ہے کہ جب انہوں نے ہندوستان کا دورہ کیا تھا جیسا کہ سر عبدالقادر نے لکھا ہے تو اس دوران بھی وہ مبارکپور تشریف لائے تھے۔

۱۹۸۰ء میں ہند کے تحقیقی وعلمی دورے کا ذکر پروفیسر اعظمی اپنی کتاب "عظیم مصر" میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"بیس سال بعد میں نے ہند کا تحقیقی وعلمی دورہ ۶/نومبر ۱۹۸۰ء کو شروع کر کے ۱۵/جنوری ۱۹۸۱ء کو ختم کیا اور بوہروں کے بے حد مضبوط وثابت قدم اور بے باک پا کر بہت مطمئن ہوا ہوں۔ ہوائی جہاز سے سفر یقینا بہت گراں ہے، البتہ ریل سے سفر کرنا ہو تو لاہور سے روزانہ ۲/ بجے ریل روانہ ہو کر "اٹاری" ہندی حدود تک جاتی ہے، جہاں سے امرتسر جا کر ہر جگہ کا سفر ممکن ہے اور اٹاری سے ہی سیٹ کو بک کرنا مناسب ہے، جہاں پاکستانی روپے اور امریکی ڈالر سے ہندی سکے بدلے جاتے ہیں۔ ہندی اسی روپے سو پاکستانی روپے سے اور ساڑھے سات روپے ایک امریکن ڈالر سے ملتے ہیں۔ ڈالر کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، درجۂ سوم کو دوم اور دوم کو اول بنا کر اسی لحاظ سے دام وصول کیا جاتا ہے۔ پلیٹ فارم کا ٹکٹ ۳۰/ پیسے کا ہوتا ہے، درجۂ دوم کے ڈبے میں پانی کا اچھا انتظام ہوتا ہے، بمبئی کی بسوں میں ٹکٹ کم از کم ۲۵/ پیسے کا ہوتا ہے اور دومنزلہ بسوں کی کثرت کی وجہ سے آمد ورفت آسان ہو گیا ہے، اور بمبئی کی آبادی تقریباً اسی لاکھ ہے۔ ڈاک اور تار کا نظام نہایت خراب ہے۔ میں نے بنارس سے مبارکپور تار کیا تو ۵۸/ گھنٹے میں میرے جانے کے بعد پہنچا اور ایک عزیز نے مالیگاؤں سے مجھے تار

گیا تو ۱۲/دن میں پہنچا تھا، حالانکہ مبارکپور میں تارآفس ہے، ڈاک لینے کے لیے ڈاک خانہ جانا ضروری ہے، البتہ ڈاکیہ کو ماہانہ رقم دی جائے تو گھر تک پہنچاتا ہے۔ یہ بات مبارکپور میں عام ہے اگرچہ اکثریت اقتصادی طور سے خوش حال ہو چکی ہے، اکثر تھانوں میں ہر جگہ ملازم اور افسر صرف ہندو ہیں اگرچہ آبادی میں ۷۵/ فیصد مسلم ہیں، جیسا کہ مالیگاؤں اور مبارکپور میں ہے۔ واپسی کے وقت اٹاری اسٹیشن پر سخت چیکنگ ہوتی ہے، میرے ہمراہ چھوٹا بھائی اور بھابھی کو مبارکپوری رشتہ داوروں نے چار بنارسی ساڑیاں اور بچوں کے لیے چند چاندی کے زیورات دیے تھے، جن کو کسٹم والوں نے روک لیا احتجاج کرنے پر ایک رسید دے دی ہے اور ہندی مطبوعات کو پاکستانی بہ آسانی خرید نہیں سکتے ہیں، حالانکہ دنیا کے ہر ملک سے بہ آسانی خریدتے ہیں۔'' (عظیم مصر،ص ۳۵۵،۳۵۶)

اس سفر کے بعد وہ مبارکپور ۱۹۸۲ء میں پھر تشریف لائے جس کی تفصیل معروف تنقید نگار ڈاکٹر فضل الرحمان شرر مصباحی نے راقم سے ایک ملاقات اور موبائل پر گفتگو کے دوران یوں بیان کی ہے:

میں گھر سے جامعہ اشرفیہ کیلئے جارہا تھا کہ بڑی ارجنٹی پر پرکاش سنیما ہال کے پاس ایک صاحب کچھ لوگوں سے بات کررہے تھے، ان لوگوں نے مجھے دیکھا تو اشارہ کیا کہ ان سے پوچھیئے تو انہوں نے فوراً مجھ سے مخاطب ہو کر کہا صاحب زادے السلام علیکم! میں نے جواب دیا تو انہوں نے کچھ نام بتائے کہ کیا انہیں جانتے ہو میں نے کہا آپ بہت پرانے لوگوں کا نام بتارہے ہیں کچھ نئے لوگوں کا بتائیں تو انہوں نے کہا کہ اگر تمہیں فرصت ہو تو مجھے پورہ دیوان لے کر چلو۔ میں ان کو لے کر پورہ دیوان جانے لگا کچھ دور پہنچا تو میں نے پوچھا آپ کا اسم گرامی کیا ہے انہوں نے کہا مجھے حسن الاعظمی کہتے ہیں، میں نے فوراً پوچھا المعجم الاعظم

والے؟ انہوں نے ہاں کہا، یہ سن کر میرا رونگٹا کھڑا ہو گیا کہ جن کی لغت میں نے المعجم الاعظم کو اشرفی دارلمطالعہ کی لائبریری میں پڑھی تھی اور یہ سمجھ رہے تھے کہ محمد حسن الاعظمی سو دوسو سال پرانے کوئی دیارِ شبلی کے رہے ہونگے مگر وہ آج میرے سامنے ہیں اور مبارکپور کے ہیں۔ وہ گورے چٹے اور کانوں میں آلۂ سماعت لگائے ہوئے تھے۔ جب ہم لوگ حاجی خلیل کے مکان کے پاس پہونچے تو انہوں نے مجھ سے کہا یہی میرا گھر تھا اور جب بوہرا مسجد دیکھی تو کہا کہ یہاں میں نے تعلیم پائی ہے۔ تو میں نے کہا کہ اس میں میرے دادا پڑھاتے تھے انہوں نے نام پوچھا میری زبان سے ''میاں'' نکلا کہ فوراً بول اٹھے میاں عبد اللہ؟ میں نے کہا جی وہ میرے دادا تھے۔

ہم لوگوں نے حاجی خلیل صاحب کے دروازے پر جا کر آواز دی اور وہ گھر سے باہر نکلے اور پھر پروفیسر اعظمی کا تعارف ہوا، انہوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے مکان کا بالائی حصہ خالی کرایا اور اسے پروفیسر اعظمی کے حوالے کیا اور کہا کہ آپ جب تک چاہیں یہاں رہ سکتے ہیں۔

شررمصباحی صاحب نے بعد میں ایوب مبارکپوری سے بھی ملاقات کرائی اور اپنی ایک دور طالب علمی کی عربی کتاب کا ذکر پروفیسر اعظمی سے کیا جو چھپ نہ سکی تھی اسے اعظمی صاحب نے منگوایا اور پڑھنے کے بعد دوسرے دن عربی میں اپنے لیٹر پیڈ پر شررؔ صاحب کی اس کتاب پر تاثر پیش کیا اور خوشی کا اظہار کیا جس پر تاریخ ۶ دسمبر ۱۹۸۲ درج ہے۔ شررمصباحی صاحب نے اعظمی صاحب کی اس تحریر کو سند کے طور پر تسلیم کیا اور یہ بھی کہا کہ یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔

پروفیسر اعظمی کی مبارکپور تشریف آوری کے متعلق معروف ادیب مرحوم مولانا قمر الزماں مبارکپوری نے بھی کئی بار ذکر کیا کہ وہ جب آئے تھے تو میرے

مہمان بھی ہوئے تھے اور مجھے اپنی تنظیم کے مقاصد کی کاپی بھی فراہم کی تھی۔اس کے علاوہ مبارکپور کے سیاسی رہنما فضل الرحمان نیتا جی نے ایک ملاقات میں بتایا کہ جب وہ مبارکپور تشریف لائے تو حاجی خلیل صاحب نے ہمیں اپنے گھر بلایا اور ان سے تعارف کرایا۔ پروفیسر اعظمی کو پاکستان سے یہاں آنے کی وجہ سے پولیس اسٹیشن ودیگر آفسوں میں جانا تھا جس کیلئے اعظمی صاحب کو ساتھ لے کر آنے جانے کی ذمہ داری حاجی خلیل صاحب نے فضل الرحمان نیتا جی کو سونپی تھی۔ نیتا جی جب ساتھ لے کر اعظم گڑھ پولیس دفتر میں پہنچے اور اعظمی صاحب نے اپنا تعارف کرایا تو پولیس افسران نے بڑی حیرانی کے ساتھ سوال کیا کہ ابتک آپ کہاں تھے؟ اعظمی صاحب نے بتایا کہ اطلاع کے طور پر تار بھیج دیا تھا مگر تار کو آپ تک پہنچنے میں تاخیر ہوگئی۔ اعظمی صاحب دارالمصنفین بھی گئے جہاں پر گفتگو کے دوران ان سے زیادہ تر پاکستانی سیاست پر تبصرہ کیا گیا جسے انہوں نے پسند نہیں کیا اور بعد میں اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے نیتا جی سے کہا کہ مجھے سیاست سے کیا مطلب مجھ سے ادبی گفتگو کرنی چاہیے۔ نیتا جی نے یہ بھی بتایا کہ وہ بازار یا کہیں بھی جاتے تو انہیں ساتھ لیکر جاتے۔اسی دوران کا ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے نیتا جی نے بتایا کہ بازار میں ایک چائے خانہ میں بیٹھے تھے کہ کچھ لوگ وہاں سعودی کے لوگوں کی کافی برائی کررہے تھے، جب اعظمی صاحب سے برداشت نہ ہوسکا تو کافی غصہ میں ان لوگوں سے مخاطب ہوکر سوال کیا کہ آپ لوگوں کو سعودی کے لوگوں کے بارے میں کتنی جانکاری ہے؟ سامنے والوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ پھر سعودی باشندگان کے بارے میں انہیں بتایا۔ اعظمی صاحب اپنے اس سفر کے دوران ساتھ میں کچھ کیسیٹ بھی لائے تھے جسے ٹیپ ریکارڈر میں سناتے تھے اور بتاتے تھے کہ یہ عرب دنیا کی بہت بڑی مغنیہ ہے جس نے ہماری نظم گائی ہے، مگر نیتا

جی کا کہنا ہے کہ ہم لوگوں کو عربی کہاں سمجھ آتی اس لیے کچھ پتا نہیں کہ وہ کیا گا رہی تھی۔ وہ نظم غالباً اقبال کی "مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا" رہی ہوگی جسے پروفیسر اعظمی وصاوی شعلان نے عربی میں ٹرانسلیٹ کیا تھا۔

تاریخ وفات

پروفیسر حسن الاعظمی سانسوں کی بیماری کی وجہ سے میڈی کیئر اسپتال شہید ملت روڈ کراچی میں ایڈمٹ کرائے گئے جہاں ان کی نگرانی ڈاکٹر شوکت علی کر رہے تھے۔ مگر وہ صحت یاب نہیں ہو سکے اور وہیں ۸۰ سال کی عمر میں مورخہ ۷/ستمبر ۱۹۹۵ء بوقت ۷ بجکر ۱۵/منٹ پر انتقال کر گئے۔ اعظمی صاحب کی تدفین ۸/ستمبر ۱۹۹۵ء کو عزیز آباد قبرستان میں ہوئی۔

باب دوم

ادبی خدمات

اردو زبان وادب کی خدمات کا مختصر جائزہ

۱۹۳۱ء میں جب پروفیسر محمد حسن الاعظمی نے دیکھا کہ جامعہ مصریہ میں باقی تمام اہم مشرقی زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن اردو کو نظر انداز کر دیا گیا ہے تو کلیۃ الآداب کے پرنسپل ڈاکٹر طٰہٰ حسین سے ملاقات کی۔اوران سے درخواست کی کہ اردو کی تعلیم کا بھی بندوبست ہونا چاہیے۔بہت مشکل سے یہ فیصلہ ہوا کہ اردو ایک اختیاری مضمون کی طرح پڑھی جائے یعنی اس کے نمبر نہ شمار ہوں ۔ڈیڑھ سال تک یہ سلسلہ جاری رہا اور پروفیسر اعظمی نے اس عرصہ میں بیس طلبہ کو اردو پڑھائی ۔شرط یہ تھی کہ اردو صرف وہی طلبہ پڑھ سکتے ہیں جو فارسی اور عربی دونوں زبانوں سے واقف ہوں۔ چنانچہ پروفیسر اعظمی نے یہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے طلبہ کو پہلے ایسی اردو پڑھائی جس میں عربی اور فارسی کے کافی لفظ موجود تھے۔ اس طرح طلبہ بہت جلد اردو لکھنے پڑھنے لگے۔ پھر آہستہ آہستہ انہیں آسان لفظ استعمال کرنے کی عادت ڈالی۔غرض عرب طلبہ کو اردو تعلیم کیلئے یہاں سے الٹا راستہ اختیار کرنا پڑتا تھا مثلاً پہلے اردو چوتھی پھر تیسری پھر دوسری اور اس کے بعد پہلی جو اردو ہندوستان میں آسان کہی جاتی ہے وہاں مشکل ہوتی تھی کیونکہ ہندی الفاظ کی کثرت ہوتی ہے اور

عربی الفاظ کی وجہ سے وہاں سمجھنے میں آسانی ہوتی تھی۔

پروفیسر اعظمی ان سب کے ساتھ اسی دوران اخبارات وغیرہ کے ذریعہ یہ مطالبہ بھی کرتے رہے کہ اردو زبان کو دیگر زبانوں کی طرح رتبہ دیا جائے اور اس کے نمبر دوسرے نمبروں میں بھی شمار ہوں آخر کار اعظمی صاحب کی یہ محنت رنگ لائی اور ۷/ مارچ ۱۹۳۹ء کو پارلیمنٹ میں یہ تجویز منظور کر لی گئی اور ایک خاص فرمان کے ذریعہ شاہ فاروق نے اردو کو بھی اعظمی صاحب کے خواہش کے مطابق درجہ دے دیا۔ تین سال کا نصاب مقرر ہوا اور یہ بھی فیصلہ ہوا کہ پہلے اور تیسرے سال امتحان ہو۔ ڈاکٹر عزام کی مدد سے پروفیسر اعظمی نے عربی اور فارسی جاننے والوں کو اردو پڑھانے کا ایک خاص نصاب تیار کر لیا۔ اس سے پہلے زیادہ تر طلبہ کو اقبال اور غالب کی نظم اور بعض ہندوستانی نثر نگاروں کے چیدہ چیدہ شاہکار پڑھانا تھا۔ پروفیسر اعظمی نے شیخ مراغی کو لکھے گئے عریضہ میں جامعہ ازہر میں اردو ادب ،تاریخ اور زبان کی تعلیم کی طرف بھی خاص توجہ دلائی تھی۔ جس کے بعد شیخ مراغی نے پروفیسر اعظمی کو بلایا اور کہا کہ اگر تم جامعہ مصریہ سے علیحدہ ہو کر ازہر آنے کیلئے تیار ہو تو ابھی تمہارے تقرر کیلئے احکام نافذ کیے جاتے ہیں۔

پروفیسر اعظمی نے اردو عربی کتابیں بھی تصنیف کیں اور اردو سے عربی لغات وعربی سے اردو لغات بھی انکا اہم شاہکار رہے۔ جس پر تفصیلی گفتگو آگے کی جائیگی۔

محمد حسن الاعظمی کی اردو خدمات کا تفصیلی جائزہ

ہر دور میں ایک قوم نے دوسری قوم کو اور ایک ملک نے دوسرے ملک کو سمجھنے کی کوشش کی ہے نہ صرف یہی بلکہ باہمی تعلقات و روابط بھی قائم رکھے۔ ان تمام مقاصد کے لیے زبان ہی کو اپنا سفیر اور وسیلۂ کار قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہر قوم کی

زبان اس کی تہذیب وتمدن کی آئینہ دار ہوا کرتی ہے۔جسمیں اس کی ادبی وملی روایات ،اس کے احساسات اوراس کے سیاسی ،اجتمائی اور ذہنی وفکری آثار کی تصویر کا رنگ جھلکتا ہے۔دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ سب سے پہلے مسلم مفکرین نے یونان وہند کے علمی خزانوں کا سراغ لگایا،مختلف زبانیں سیکھیں اوران کے علوم و فنون کواپنی زبان میں منتقل کیا۔

پروفیسر محمد حسن الاعظمی صاحب نے بھی یہ محسوس کیا کہ مصری قوم کے اندر بھی یہ جذبہ بھرپور ہے۔وہ دنیا بھر کی تہذیب وثقافت سے آراستہ ہونا چاہتے ہیں اور ان کے اندرزبانیں سیکھنے کا جذبہ بھی موجود ہے۔

علامہ اقبال نے ممالک اسلامیہ کی سیر وسیاحت کے سلسلہ میں مصر کا بھی دورہ کیا تھا۔آپ نے مصریوں کے دلوں پر گہرے نقوش ثبت کیے تھے مگر حقیقی معنی میں کسی نے فلسفۂ اقبال کو سمجھنے اور سمجھانے کی ذرہ برابر بھی کوشش نہیں کی۔ پروفیسر محمد حسن الاعظمی نے سب سے پہلے ۱۹۳۷ء میں علامہ اقبال کی شاعری سے دنیائے عرب کو روشناس کرایا۔اقبال کے اسلامی افکاراوران کے اتحاد عالم اسلامی کے بلند آہنگ تخیلات کومصریوں کے روبرو پیش کیا۔

پروفیسر اعظمی نے جماعت اخوت اسلامی کا افتتاح اقبال کے مشہور ترانۂ ملی (چین وعرب ہمارا) کے عربی ترجمہ سے کرایا۔جس کو بعد میں مختلف جرائد ورسائل نے بڑے ہی اہتمام کے ساتھ شائع کیا،اور یہ ترانہ جماعت کے ہر جلسہ میں پڑھا جاتا تھا۔جماعت اخوت اسلامیہ کا تشکیلی خاکہ ۱۹۳۸ء میں ممالک اسلامیہ سے عالمی ربط وضبط قائم کرنے کیلئے پیش کیا تھا۔پروفیسر اعظمی نے اردو زبان کی ترقی کے لیے جد و جہد شروع کردی اور ۱۹۳۸ء میں اعظمی صاحب نے ڈاکٹر طٰہٰ حسین پرنسپل کلیۃ الآداب جامعہ مصریہ جو بعد میں جامعہ فاروق اول اسکندریہ کے وائس

چانسلر بھی ہوئے ، سے درخواست کی کہ اردو زبان کی تعلیم کا انتظام کلیہ میں کیا جائے۔ پروفیسر اعظمی کی اس درخواست کو منظور کرتے ہوئے اعظمی صاحب کو ہی ایک سال کیلئے عارضی طور پر اردو ادب اور شاعری پر لکچر دینے کیلئے مقرر کر دیا۔اس شعبہ میں ایم اے کے تقریباً بیس طلبا نے شرکت کی ۔اس دوران زیادہ تر علامہ اقبال کے فلسفہ کی تشریح اور اردو زبان کے دیگر بعض شعراء مثلاً غالبؔ ، حالیؔ ، اکبرؔ اور امجد حیدر آبادی وغیرہ سے تعارف کرایا گیا۔جس کے بہتر نتائج بر آمد ہوئے۔

۱۹۳۹ء میں مذکورہ طلباء نے حکومت مصریہ میں ایک عریضہ پیش کیا کہ اردو کو بطور ایک علمی زبان کے فارسی وترکی زبان کے ساتھ کلیہ آداب میں داخل کیا جائے ۔ڈاکٹر عبد الوہاب بک عزام جو اس وقت کلیۂ آداب میں شعبۂ السنہ مشرقیہ کے صدر تھے اور علامہ اقبالؔ سے ان کا تعارف لندن میں ہو چکا تھا۔اقبالیات کو سمجھنے کیلئے پروفیسر اعظمی سے اردو زبان سیکھی ۔آپ بھی اقبالیات کا ترجمہ عربی میں اور اردو کو نصاب میں شامل کرنے کے لیے پیش پیش رہے۔

قاہرہ میں اردو کی ہر دالعزیزی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اخوت کے مرکزی دفتر قبۃ الغوری میں ہر پنجشنبہ کو اقبالیات پر تقریریں کی جاتی تھیں اور وہاں کے ادبی مجلّات میں تراجم مسلسل شائع ہوتے رہتے تھے جن کی پہلی کڑی کتابی شکل میں (عربی اردو) بزم اقبال حیدر آباد نے شائع کی۔

پروفیسر اعظمی کی مسلسل جدو جہد اور کوشش جو انہوں نے جامعہ مصریہ کے علاوہ جماعت اخوۃ اسلامیہ اور دیگر علمی انجمنوں میں خانگی طور سے اردو جماعتیں شروع کیں اور رسائل و دیگر ذرائع سے اردو کی تشہیر کرتے رہے۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شاہ فاروق نے مصری پارلیمنٹ ،مجلس الجامعہ اور مجلس الوزراء کے اتفاق کے بعد اپنا شاہی فرمان صادر کیا جس میں اردو زبان کو ایک علمی زبان قرار دیکر یونیورسٹی

میں اس کا ایک الگ شعبہ کھولنے کا حکم تھا۔چنانچہ اس کی تدریسی خدمات انجام دینے کیلئے ہندوستان سے کسی موزوں شخص کی تقرری کیلئے خطوط لکھے گئے۔در اصل ذریعۂ تعلیم عربی تھی اورطلباء کیلئے اردودانی کا ذوق عربی تفہیم وتدریس کے بغیر دشوار تھا،اور پروفیسر اعظمی چونکہ ایک عرصہ سے اردو زبان کی خدمات انجام دے رہے تھے اورعربی میں بھی کافی مہارت حاصل کرلی تھی ساتھ ہی انہوں نے جامعہ از ہر سے آخری ڈگری امتیاز کے ساتھ حاصل کی تھی اس لیے اعظمی صاحب کو ہی شعبۂ اردو کا پروفیسر منتخب کیا گیا۔واضح رہے کہ اردو،فارسی اور ترکی زبان وادب میں داخلہ کے اہل انہیں کوقرار دیا جاتا تھا جنہوں نے بی اے کی ڈگری حاصل کرلی ہو اور ایم اے میں داخل ہوگئے ہوں۔تین سالہ نصاب طے ہوا اور کامیاب ہونے والوں کو ڈپلومہ دیا جاتا تھا۔نیز جماعت کا نام معهد اللغات الشرقیه رکھا گیا۔

اس سلسلہ میں افضل العلماء مولوی عبدالوہاب ظہوری اپنی کتاب ''مصر میں اردو''میں رقم طراز (جو پروفیسر اعظمی کی کتاب ''آزاد مصر''میں بھی درج کیا ہے) ہیں کہ:

''مارچ ۱۹۳۹ء میں جامعہ مصریہ میں باقاعدہ اردو کی تعلیم شروع ہوجانے کے بعد موصوف نے جامعہ از ہر کے وائس چانسلر علامہ شیخ مصطفی مراغی مرحوم کی خدمت میں ایک محضر روانہ کیا،جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ جامعہ از ہر میں اردو تعلیم کو باقاعدہ شریک نصاب کیا جائے۔شیخ مراغی مرحوم نے موصوف کو اس سلسلہ میں بلا کر وعدہ کیا کہ اگر کوئی قابل اور موزوں شخص تعلیم دینے کے لے دستیاب ہوجائے توکل ہی سے اس کا انتظام کردیا جاتا ہے۔بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اگر تم جامعہ مصریہ چھوڑ کر جامعہ از ہر میں آنے کو تیار ہوتو ابھی احکام آپ کے تقرر کے

لئے نافذ کئے جاسکتے ہیں۔

اردو زبان سے خصوصی دلچسپی لینے والوں میں سے مصری ادیب محمد حسن زیات سکریٹری، ڈاکٹر طہٰ حسین ہیں۔ جو معہد اللغات الشرقیہ شعبۂ اردو میں درجۂ اول کامیاب ہوئے، اور ڈپلوما حاصل کیا، ان کو جامعہ فاروق الاول اسکندریہ میں شعبۂ اردو کا لکچرر بنا دیا گیا ہے۔ اسی سلسلہ میں شیخ صاوی شعلان فارغ التحصیل جامعہ ازہر بھی قابل ذکر ہیں جو آج کل شعبۂ اردو میں تعلیم پا رہے ہیں اور اقبالیات کا ترجمہ اخبارات ورسائل میں شائع کر رہے ہیں۔'' (مصر میں اردو: ص:۱۱، ۱۲)

قاہرہ جسے اسلامی تہذیب کا مرکز وقلب قرار دیا گیا ہے یہاں کی اردو خدمات اور اس کی سرگرمیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد وترکی میں بھی اردو زبان کی تعلیم کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور ان ممالک میں بھی اردو کی تشہیر شروع ہوگئی۔

قاہرہ میں اردو کی تعلیم وتفہیم کے لیے آسان کتابوں کی ضرورت محسوس کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی اس پر بھی غور وخوض کیا جانے لگا کہ عربی دانوں کو اردو کی تعلیم کیلئے آسان نصاب تیار کیا جائے۔ اس سلسلہ میں پروفیسر محمد حسن الاعظمی اور ڈاکٹر عبدالوہاب بک عزام نے بعض کتابیں تالیف کیں مگر اس وقت جنگی حالات کے پیش نظر ان کی اشاعت معرض التوا میں پڑ گئی تھی۔ اس سلسلہ میں پروفیسر اعظمی اپنی کتاب ''آزاد مصر'' میں ایک جگہ رقم طراز ہیں کہ:

''میں نے اس امر کی بھی کوشش کی تھی کہ جامعہ مصریہ سے نوجوان طلباء کو ممالک ہند مثلاً جامعہ عثمانیہ اور جامعہ علیگڈھ بھیج کر تعلیم دلائی جائے چنانچہ اس کے لئے تبادلہ خیالات بھی کئے۔ لیکن مؤخر الذکر جامعہ کے ارباب اقتدار اس کے لیے آمادہ نہیں ہوئے۔ سفیر مصر اس بات پر بھی آمادہ ہوگئے تھے کہ اپنے نوجوان مصریوں کو حکومت کے اخراجات سے روانہ کریں۔ بذریعہ سفیر مصریہ بھی گفتگو ہوئی

تھی کہ مصری اساتذہ ہندوستانی جامعات میں آکر عربی ادب کی نشر واشاعت کریں اور ساتھ ہی ہندوستانی ادب وثقافت کوممالک عربیہ میں متعارف کرائیں اسی طرح ہندوستانی علماءمصری جامعات میں آکر اردودانی کا صحیح ذوق پیدا کریں۔اور وہاں کے حالات وتمدن سے ہندوستان کو روشناس کرائیں مصری حکومت تواس کے لئے تیارتھی لیکن ارباب علی گڈھ نے اس رائے سے بھی اتفاق نہیں کیا۔''

(آزادمصر:ص:۵۶۲)

اردوادب کے فروغ کی سرگرمیاں مصری جامعات اور وزارت تعلیمات عامہ میں ہوتی ہوئی شاہ مصر فاروق اول کی دلچسپیوں کا بھی باعث بن گئیں۔شاہ فاروق نے ۷ مارچ ۱۹۳۹ء میں یونیورسٹی بورڈ ،وزیر تعلیمات عامہ اور مجلس وزرا کی قرارداد کے مطابق تفصیلی فرمان نافذ کیا جس میں یہ تجویز تھی کہ کلیہ آداب (آرٹ کالج) میں ''معہد اللغات الشرقیہ وآوابہا'' کے نام سے ایک معہد (ٹریننگ کالج) کا افتتاح کیا جائے (معہد کا اطلاق بی،اے کے بعد ایم،اے اوراس سے اعلیٰ جماعتوں کی تعلیم پر کیا جاتا ہے)اس غرض وغایت امم اسلامیہ کی زبانوں اور قدیم وجدید عربی لہجوں میں خصوصی امتیاز پیدا کرنا ہے۔معہد میں مندرجہ ذیل شعبہ کا ذکر ہے(۱)شعبہ امم اسلامیہ (۲)شعبۂ لہجات عربیہ۔

شعبۂ امم اسلامیہ میں فارسی،ترکی اور اردو(ہندوستانی) زبانوں کی تعلیم دینے کا انتظام ہوااس معہد میں عربی ادب کے بی اے یا طیلسانیئین کی ڈگری کے مساوی طالب علم کے شریک ہونے کی اجازت تھی۔معہد میں تعلیم کی مدت تین سال رکھی گئی تھی۔پہلے سال میں عبوری امتحان لیئے جانے اور تیسرے سال میں آخری امتحان یعنی فائنل امتحان لیئے جانے کی تجویز تھی۔تیسرے سال میں کامیاب ہونے والے طلباء کو'' دبلومه معهد اللغات الشرقیه وا

دابہا'' اس ڈپلوما کی ڈگری پانے والے طلباء کو ادب میں ڈاکٹری کی ڈگری (ڈی ۔ لٹ) حاصل کرنے کا اہل قرار دیا گیا تھا۔

عربی فرمان کا اردو ترجمہ

سرکاری قانون

بابت تاسیس معہد لغاتِ شرقیہ وآداب اور کلیہ آداب

امم فاروق اول شاہ مصر

حسب اطلاع قانون نشان ۴۲ ۱۹۳۷ء بابت تنظیم جامعہ فواد اول مساوی قانون نشان ۲۰ ۱۹۳۳ء وسرکاری قانون نشان ۹۶ ۱۹۳۵ء وسرکاری قانون نشان ۵۰ ۱۹۳۵ء بابت لائحہ اساسیہ برائے کلیہ آداب و بر بناء تصفیہ مجلس جامعہ (یونیورسٹی بورڈ) مورخہ ۷/ مارچ ۱۹۳۹ء و بر بناء عریضۂ وزیر تعلیمات عامہ و بمطابق رائے مجلس وزراء ذیل کا قانون درج کرتے ہیں۔

فقرہ نمبر ا کلیہ آداب (آرٹ کالج) میں ایک معہد (ٹریننگ کالج) کھولا جائے جس کا نام ''معہد اللغات الشرقیہ وآوابہا'' رکھا جائے (معہد کا اطلاق بی اے کے بعد ایم اے اور اس سے اعلیٰ تعلیم پر کیا جاتا ہے) اس کی غرض وغایت امم اسلامیہ کی زبانوں اور قدیم وجدید عربی لہجوں میں امتیاز پیدا کرنا ہے۔

فقرہ نمبر ۲ معہد حسب ذیل شعبوں پر مشتمل ہوگا

(ا) شعبۂ السنۂ امم اسلامیہ (۲) شعبۂ لہجات عربیہ (۳) شعبۂ السنۂ امم اسلامیہ میں حسب ذیل زبانوں کی تعلیم دی جائے گی۔

فارسی، ترکی، اردو (ہندوستانی) مزید برآں قدیم اور زندہ مشرقی زبانوں کا اضافہ کیا جائے گا۔

فقرہ نمبر ۴ معہد میں طالب علم کی شرکت کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عربی ادب کا بی اے ہو یا کوئی اور ڈگری رکھتا ہو جو طیلسانیین کے مساوی ہو، جسے کالج بورڈ (مجلس کلیہ) کی رائے کی بنا پر یونیورسٹی بورڈ (مجلس جامعہ) معتبر سمجھے۔

فقرہ نمبر ۵ معہد میں داخلہ فیس چار جنیہات سالانہ مقرر ہے (ایک جنیہہ مساوی ہے ۱۴ روپے کے، اس لحاظ سے شرکت کی سالانہ فیس ۵۶/روپئے ہوتی ہے) لائبریری فیس پچاس قروش ہے (فی قرش ڈھائی آنہ، سوقروش کا ایک جنیہہ اس لحاظ سے پچاس قروش کے ۷/روپئے ہوتے ہیں) یہ فیس سال کے ابتدا ہی میں داخل کرنی پڑیگی، آخری امتحان (فائنل) کی فیس چار جینہات (۵۶ روپئے) ہے۔

فقرہ نمبر ۶ معہد میں مدت درس تین سال ہے۔

فقرہ نمبر ۷ تین سال کے مضامین کی تقسیم حسب صراحت جدول (پراسپکٹس) کی جائے، جو اس قانون کے ساتھ ملحق ہے۔

اسباق کے ساتھ ان مضامین کی عملی مشقیں بھی کرائی جائیں۔ ہر سال کالج بورڈ (مجلس کلیہ) ان مضامین کا تعین کرے گا جن میں یہ عملی مشقیں (تمرینات عملیہ) ہونگی، نیز ان کے نظام و اعداد کی حد بندی کرے گا۔

فقرہ نمبر ۸ جو طالب علم شعبۃ السنۂ امم اسلامیہ میں فیس ادا کر کے شریک ہو چکا ہے، اس کے لیے فقرہ نمبر ۳ کے مذکورہ زبانوں میں سے کسی دو زبانوں میں تخصیص حاصل کرنا ہوگا، ان دو کے علاوہ کسی موضوعات میں درس کی حد بندی کرنا صدر شعبہ کے ذمہ ہوگا۔

فقرہ نمبر ۹ مجلس کلیہ (کالج بورڈ) کے مطالبہ کی بنا پر حسب تقاضائے مصالح تعلیمی مجلس جامعہ (یونیورسٹی بورڈ) ہر قسم کے تغیر و تبدل کی مجاز ہوگی، خواہ یہ

تغیر مضامین تعلیم سے متعلق ہو، یا تین سال پر مضامین کی تقسیم کی کیفیت سے۔

فقرہ نمبر ۱۰ طلباء معہد کا امتحان دو مرتبہ ہوگا

(۱) امتحان انتقالی (عبوری) جو پہلے سال کے آخر میں ان مضامین میں لیا جائیگا، جنہیں دونوں سال میں پڑھ چکے ہیں۔

(۲) آخری امتحان (فائنل) جو تیسرے سال کے آخر میں لیا جائیگا ان دونوں امتحانوں میں سے ہر امتحان تحریری وتقریری امتحانوں پر مشتمل ہوگا، جس کو کالج بورڈ سنئہ تعلیم کے نصف اور (ششماہی) میں مقرر کردیگا۔

فقرہ نمبر ۱۱ ہر سال امتحانات کے دو دور ہونگے، پہلا تعلیمی سال کے آخر میں، دوسرا آئندہ میں تعلیم شروع ہونے سے پہلے۔ ہر دور کے اوقات وتواریخ کالج بورڈ مقرر کرے گا، طالب علم کو اختیار ہے کہ وہ ہر دور میں سے جس میں چاہے امتحان دے۔

فقرہ نمبر ۱۲ امتحان انتقالی یا امتحان نہائی (یعنی ابتدائی اور آخری) میں کامیابی کے لئے یہ شرط ہے کہ طالب علم ہر مضمون کے مخصوص مجموعی نشانات میں سے کم از کم ۶۰ رفیصدی نشانات حاصل کرے۔

فقرہ نمبر ۱۳ ہر مضمون کے دو ممتحن ہونگے جن کو کالج بورڈ پرنسپل کے حسب منشاء معین کرے گا، اور فوری حالت میں پرنسپل ان دونوں میں سے کسی ایک کو مقرر کردیگا۔

فقرہ نمبر ۱۴ مذکورہ امتحانی کمیٹی تحریری امتحانات کے موضوعات کا انتخاب کریگی اور ان درجوں کا حساب بھی یہی لگائے گی، اگر کسی مضمون میں تقریری امتحان لینا ہوتو طلباء سے یہی کمیٹی تقریری امتحان لے گی۔

فقرہ نمبر ۱۵ ہر مضمون میں خواہ وہ تحریری ہو یا تقریری آخری کم از کم ۲۰

نمبر ہونگے۔

فقرہ نمبر ۱۶ پہلے اور تیسرے سال کے امتحان کا نتیجہ عام کمیٹی (لجنۂ عامہ) کے روبرو جو ہر دو سال کے ممتحنوں سے مرکب ہوگی۔ پرنسپل کی صدارت میں پیش کیا جائیگا اور یہ مجلس اپنے تصفیہ شدہ امور کالج بورڈ میں پیش کرے گی۔

فقرہ نمبر ۱۷ جامعہ کی طرف سے آخری امتحان میں کامیاب ہونیوالے طلباء کو ڈپلوما دیا جائیگا جس کا نام یہ ہوگا ''دبلوم معہد اللغات الشرقیہ وآدابہا'' اس میں اس شعبہ کا ذکر کیا جائیگا جو طالب علم کا خاص موضوع رہا ہے۔

فقرہ نمبر ۱۸ معہد کے ڈپلوما کا شمار ان علمی ڈگریوں میں ہوگا جس کا حاصل کرنیوالا ادب میں ڈاکٹری کی ڈگری (ڈی لٹ) حاصل کرسکتا ہے۔

فقرہ نمبر ۱۹ وزیر تعلیمات عامہ کو چاہیے کہ اس قانون کو نافذ کرے اور جریدۂ سرکاری (غیر معمولی) میں نشر ہونے کی تاریخ سے اس پر عمل درآمد کیا جائے۔

فقط

محمد حسن الاعظمی کی تصانیف

پروفیسر اعظمی نے سو سے زائد اردو عربی کتابیں تصنیف کیں جن میں اردو سے عربی اور عربی سے اردو لغات بھی شامل ہیں۔ اعظمی صاحب کی ان خدمات کے اعتراف میں ''بابائے عربی'' کے خطاب سے بھی نوازا گیا۔ پروفیسر اعظمی کی تالیف وترجمہ وتحقیق کردہ بعض اور عربی اردو کتب برصغیر، قاہرہ، دمشق اور بیروت وغیرہ سے شائع ہوئیں جن میں (۱) مرشد العربیہ (عربی اردو۔ دو اجزاء)، (۲) المحادثۃ العامہ (عربی اردو) عام عربی بول چال، (۳) المکالمۃ الاعظمیہ (عربی اردو) مع کلید۔ دو اجزاء، (۴) اردو عربی ترجمہ ثالث (المکالمہ)، (۵) الرسائل

الاعظمیہ ،(٦)الدروس الاساسیہ،(۷)القواعد العربیہ (عربی اردو) چار اجزاء، (۸)المکاتب الاعظمیہ،تین اجزاء (۹)اساس العربیہ(عربی ریڈر) پانچ اجزاء (۱۰)المطالعۃ الاعظمیہ (عربی انشاء) سات اجزاء(۱۱)القراءۃ الاعظمیہ (عربی ریڈر) چھ اجزاء (۱۲) القرآءۃ القرآنیہ (عربی اردوانگریزی)سات اجزاء (۱۳)القرآۃ النبویہ (عربی اردو)متفق علیہ احادیث کا مجموعہ(۱۴)فی التربیۃ (۱۵)**النخبۃ الاعظمیہ**(١٦)المعجم الاعظم یاعربی اردو باتصویر لغات، پانچ اجزاء (۱۷)معجم الاعظمی ،المعجم الاعظم کا خلاصہ،دو اجزاء (۱۸)**المعجم الجامع من الار دیہ الی العربیۃ** یااردوعربی جامع لغات (۱۹)معجم الحبیب ،اردوعربی حبیبی لغت (اردوعربی جامع لغات کا خلاصہ)عالمی تنظیم اتحاد العالم الاسلامی سے شائع ہوئی (۲۰) پیام اتحاد اسلامی یا اسلامی فرقوں سے حسن ظنی (عربی اردو) (۲۱)نظام الصّوم عندالفاطمین (عربی اردو)(۲۲) آج کا مصر(۲۳) آزادمصر (۲۴)انقلابی مصر(۲۵)محمد عبدہ و پان اسلامزم(۲٦)مجاہد مراکش(۲۷)شرعی پردہ اور مسلم خاتون(۲۸)مشہور عالمی تنظیم(۲۹)الحقائق عن باکستان (حکومت مصر کی شائع کردہ)(۳۰)**الحقائق الخفیۃ عن الشیعۃ** (حکومت مصر کی شائع کردہ)(۳۱)**دیوان تمیم بن المعز الفاطمی**، بانی از ہر وقاہرہ (حکومت مصر کی شائع کردہ)(۳۲)امّۃ واحدۃ لغۃ واحدۃ (سرکاری مؤتمر الاسلامی مصر کی شائع کردہ(۳۳)**القائد اعظم و قصّۃ الباکستان**(باتصویر)(۳۴) **جنّۃ العرض کشمیر** (باتصویر)(۳۴) فلسفہ اقبال الاسلامیہ (نثر ونظم)اس کے شکوہ وجواب شکوہ کے منتخب اشعار کومطربۂ مصر مرحومہ ام کلثوم نے ۴رمئی ۱۹٦۷ءکو گا کر دس ہزار ریکارڈ بنوایا تھا۔(۳۵)**فتی الھند** (باتصویر)(۳٦)**بحث فی الشیعۃ**(۳٦) حقیقت پاکستان (۳۷) **سوانح محمد علی جناح بانی**

باکستان (۳۸) دار الحکایات و الفکاهات (۳۹) الوحدة فی الشرق (۴۰) عبقریة الفاطمین (۴۱) کتاب الذخیرة فی فلسفة البدأو المعاد عند الفاطمین (۴۲) الحقائقُ عن القادیانین و البهائیین (۴۳) الحیاة والموت فی فلسفة اقبال یعنی اقبال کا فلسفۂ حیات وموت (۴۴) فلسفة اقبال والثقافة الاسلامیہ فی الهند و باکستان (۴۵) اللآلئ الاسلامیة الغالیة من افکار اقبال و سعدی العالیة (عربی اردو) وغیرہ کے ساتھ ہی چالیس نصابی کتب متعلقۂ انشاء وگفتگو، قواعد، خطوط نویسی، حدیث اور قرآن کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

محمد حسن الاعظمی کی دیگر تصانیف کا جائزہ

پروفیسر اعظمی نے سو سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔ پروفیسر اعظمی کی ۱۰۱ کتب کی اشاعت کے بعد عالمی تنظیم اتحاد العالم الاسلامی کے سالانہ جلسے میں متفقہ طور سے سے پروفیسر اعظمی صاحب کو ''بابائے عربی'' کا خطاب دیا گیا۔ اعظمی صاحب کی چند کتابوں کا تفصیلی جائزہ پیش خدمت ہے۔

۱۔ اردو عربی ترجمہ (حصہ اول مع کلید)

اردو سے عربی یا عربی سے اردو ترجمہ سکھانے اور ہندوستان کی درسگاہوں میں پڑھانے کے لئے ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جو عربی زبان کے جدید قاعدوں کو مدنظر رکھ کر لکھی جائے۔ اس کمی کو پروفیسر محمد حسن الاعظمی نے پوری کر دکھائی۔

اس کتاب میں طلبہ کی ذہنیت ونفسیات کے مطابق ایسے ایسے آسان جملے لکھ دیئے گئے ہیں کہ کوئی بھی اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔

یہ کتاب کل سو اسباق پر مشتمل ہے اور آخر میں ان کا حل شامل کیا گیا ہے ۔ ہر سبق کے اہم اور نئے الفاظ اس سبق کے شروع میں دے دیئے گئے ہیں ۔ یہ کتاب ۲۳۰ صفحات کی ہے۔

۲۔ المکالمة الاعظمیہ یا اردو عربی ترجمہ حصہ دوم

پروفیسر اعظمی کی یہ کتاب دیگر مصنفین کی کتابوں سے بالکل مختلف ہے اس کتاب کی ترتیب اس قدر سائنٹیفک اور استادانہ ہے کہ طالب علم کے ذہن پر بغیر بوجھ ڈالے بغیر اس کے ذخیرۂ الفاظ اور قابلیت جملہ سازی میں اضافہ کرتی چلی جاتی ہے جو دنیا کے رسائل و جرائد اور علمی حلقوں کی زبان ہے۔ اس کتاب میں اردو سے عربی اور عربی سے اردو میں ترجمہ کرنے کے ۹۶ سبق اور اردو عربی کے ہزاروں امثال اور عربی کے بہترین منتخب اشعار بہ ترتیب حروف تہجی شامل ہیں ۔ اس قسم کی کتاب کی مدد سے چھ ماہ کے اندر ایک طالب علم کو معمولی عربی لکھنے پڑھنے اور بولنے پر قادر بنایا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب ۳۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۔ القراءة الاعظمیہ (الجزو الاول، باتصویر)

۹۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں جدید عربی زبان میں ہندوستانی قدیم تاریخی قصے اور اخلاقی کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کتاب میں پورا اعراب نہیں لگایا گیا ہے تا کہ طلباء کو بتدریج صحیح عبارت پڑھنے پر قادر بنایا جا سکے۔

۴۔ القراءة الاعظمیہ (الجزو الثانی، باتصویر)

یہ کتاب ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس کتاب میں جدید ہندوستان کے واقعات اور دلچسپ حالات بیان کیئے گئے ہیں ۔ طرز ادا جدید ادب عربی کے مطابق ہے۔ اور اسلوب بیان بالکل مصری طرز پر بہت پسندیدہ ہے۔

۵۔القراءۃ الاعظمیہ (الجزو الثالث)

عربی کی یہ گراں قدر تصنیف دو حصوں پر مشتمل ہے ۔جس میں جدید ہندوستان کے کچھ سیاسی، معاشرتی ،اخلاقی اور علمی مقالات اور مصر کے قدیم آثار اور اہم تاریخی حالات ہیں۔

اس تصنیف کے آخری حصے میں علامہ اقبالؔ کے ترانہ ملی کا عربی منظوم ترجمہ اور نشید اخوت اسلامیہ درج ہے۔یہ کتاب ایک منفرد طرز کی ہونے کی وجہ سے کافی مقبول ہوئی۔

اس میں بھی طلباء کو بتدریج صحیح عبارت کا عادی بنانے کیلئے پورا اعراب نہیں لگایا گیا ہے۔یہ کتاب ۲۵۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

۶۔مدرس العربیہ (یعنی جدید ترین اصول پر عربی قواعد کی تدوین)

یوں تو صرف ونحو پر متعدد رسالے لکھے گئے ہیں جن کا مقصود گرامر کے اصول رٹانا ہے نہ کہ زبان سکھانا۔کسی زبان کے قواعد کو بے سوچے سمجھے طوطے کی طرح رٹ لینے سے اور ازبر کر لینے سے اس زبان میں مہارت پیدا نہیں کی جاسکتی۔

پروفیسر اعظمی کے ذریعہ تصنیف کی گئی مدرس العربیہ کی تدوین کا مقصد عربی زبان کی تحصیل میں تسہیل پیدا کرنا اور ایک زندہ زبان کی حیثیت سے کما حقہ سکھانا ہے۔ہر سبق گرامر کے کسی اہم اصول پر مبنی ہے۔ہر سبق کی ابتدا میں کثیر التعداد جملے بطور مثال دیئے گئے ہیں اور ان تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے تا کہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں اور ہر سبق کے آخر میں بہت سی مختلف قسم کی مشقیں دی گئی ہیں تا کہ طلباء کو یہ موقع ملے کہ وہ معلوم کردہ اصول کو عملی طور پر استعمال کر کے اس پر مکمل طور پر سبقت حاصل کرلیں۔انشاء پردازی اور ترکیب کی مشق کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے۔۲۸۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں

تدریجی ارتقا کے اصول کو کہیں فراموش نہیں کیا گیا ہے۔

۷۔ الحیاۃ والموت فی فلسفۃ اقبال (یعنی: اقبال کا فلسفۂ حیات وموت)

اس کتاب کا پیش لفظ نواب حسن یار جنگ بہادر ،صدر مرکزی بزم اقبال، حیدرآباد دکن اور اردو مقدمہ شیخ عبدالقادر، چیف جسٹس بھاولپور و سابق مدیر مخزن وعربی مقدمہ شیخ محمد رزق المصری من علماء الازہر قاہرہ نے تحریر کیا ہے۔ جبکہ تصدیر وضمیمہ کی ذمہ داری علامہ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام مصری ،صدر جماعت الاخوۃ الاسلامیہ، قاہرہ مصر و پرنسپل کلیۃ اللغۃ العربیہ ازہر قاہرہ کے ذریعہ ادا کی گئی ہے۔

۲۲۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ڈاکٹر رضی الدین صدیقی پروفیسر جامعہ عثمانیہ کے شہرۂ آفاق مضمون سے ماخوذ ہے۔ اور اس میں اقبال کے حیات وموت کے اسلامی نظریات کو عربی اعلیٰ نثر میں اور اشعار کا ترجمہ عربی میں کیا گیا ہے۔ کتاب بانگ درا کے سائز اور اتنے ہی جلی خط میں خاص اہتمام سے طبع کی گئی ہے اور داہنے صفحہ پر عربی اور بالمقابل صفحہ پر اردو حصہ ہے۔ اور اس کتاب کی اشاعت سے علامہ اقبال کی دلی امید پوری ہوگئی کیوں کہ علامہ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ کاش میری کتابوں کا ترجمہ عربی میں ہوجاتا اور مسلمانان عالم میرے خیال سے آگاہ ہوجاتے۔ واضح رہے کہ فلسفۂ اقبال پر عربی میں یہ پہلی کتاب ہے۔

۸۔ المعجم الاعظم (یعنی: عربی اردو لغات باتصویر)

یوں تو عربی اردو لغات کی چند چھوٹی چھوٹی کتابیں شائع ہوئی تھیں جن سے شائقین ادب وزبان کی ضروریات کماحقہ پوری نہیں ہوتی تھیں۔ لیکن وہ کتابیں بھی کامیاب تھیں۔ چنانچہ عرصۂ دراز سے ایک جامع اور مکمل عربی اردو لغات کی ضرورت نہایت شدت کے ساتھ محسوس کی جارہی تھی ، جسے اس زمانے

میں فاضل اور جواں ہمت مولف پروفیسر محمد حسن الاعظمی نے اس عظیم الشان اور اہم کام کو اپنے ذمہ لیا اور ایک نہایت عظیم الشان علمی خدمت انجام دی۔ یہ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے جس کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تقریباً ۷۵ ہزار قدیم وجدید الفاظ کا بہترین ذخیرہ ہے (۲) ہزاروں اہم مثال اور اصطلاحی جملوں کا مجموعہ ہے (۳) جدید اختراعات طبی اصطلاحات اور مجلّات کے مستعملہ الفاظ (۴) مستند معاجم مثلاً محیط المحیط، قاموس، المنجد وغیرہ سے استفادہ (۵) جدید آلات اور عجیب وغریب اشیاء کی کئی ہزار تصاویر (۷) شروع میں اہم قواعد ومعلومات پر مشتمل ایک بسیط علمی مقدمہ (۸) بلاد عربیہ کی بول چال کے اہم الفاظ جن سے سیاح کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس لغت کی تصدیر میں صالح بن غالب نواب سیف نواز جنگ بہادر سلطان مکلاّ، صدر انجمن اشاعتِ عربی۔ ہندرقم طراز ہیں کہ:

''پروفیسر حسن الاعظمی نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں ان کی کتاب ''المعجم الاعظم'' پر تقریظ لکھوں۔ یہ قاموس تقریباً ساٹھ ہزار عربی الفاظ پر مشتمل ہے جن کو اردو کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ یہ ضخیم لغت ایک طالب علم کے لئے عربی لغت کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کی کفیل ذمہ دار ہے۔ چوں کہ اس لغت میں معلومات کا انبار اور الفاظ کا ایک گراں قدر ذخیرہ ہے، اور اردو زبان میں عربی الفاظ کی پوری توضیح وتشریح کی گئی ہے، اس لیے ایک عالم وانشاء پرداز اور مصنف بھی بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ مؤلف نے بعض اشیاء کو تصویروں کے ذریعے نمایاں کیا ہے جو پڑھنے والے کے روبرو ان اشیاء کے ناموں کے معانی ومطالب کو واضح انداز میں پیش کرتی ہیں۔ یہ ایک نہایت مفید طریقہ ہے جو اشیاء مصوّرہ کے معانی ومطالب کے ذہن نشین کرنے اور سمجھنے میں جو دقت ودشواری پیش آیا کرتی ہے اس میں

تھوڑی بہت تخفیف کر دیتا ہے ۔مؤلف نے الفاظ کے معانی کی چھان بین اور تلاش وتحقیق میں بہت جدو جہد صرف کی ہے ۔اس سلسلہ میں انہوں نے بے شمار محاورے ،شواہد اور اصطلاحات پیش کی ہیں ۔مؤلف نے اپنے صفحات کو تین کالموں میں ترتیب دی ہے ،معنوں کو پیش کرنے اور ان کو خوش اسلوبی سے ایک نظام میں مربوط کرنے کے لئے بعض ان اصطلاحات اور اسالیب پر اعتماد کیا ہے جن کے پیش نظر نہ تو حجم میں زیادتی ہوئی ہے اور نہ کمی بلکہ اعتدال قائم ہو گیا ہے ۔اس کے باوجود ہجومِ معلومات اور ایضاحِ کامل کا دامن بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے ۔اس لغت میں بہ آسانی ہر طالب علم اور ادیب خوشتہ چینی کر سکتا ،اور اس کو استعمال کر سکتا ہے ۔ یہ لغت واضح معلومات ،کامل وضاحت اور پوری پوری تشریح کے لحاظ سے مختصر حجم کے باوجود ان تمام قاموسوں اور معجموں سے سبقت لے گئی ہے جن کا ترجمہ اردو میں کیا گیا ہے ۔مؤلف نے اپنی معجم میں عربی معلومات و الفاظ کو جمع کرنے میں اپنی انتہائی جدو جہد صرف کی ہے ،اس وقت اردو اور فارسی میں جس قدر لغات موجود ہیں ،ان تمام پر یہ لغت فوقیت رکھتی ہے ،نیز مؤلف نے ترجمہ وتعبیر میں نہایت دوراندیشی اور باریک بینی کا لحاظ رکھا ہے جس سے مؤلف کے حسنِ ذوق اور وسعت معلومات کا پتہ چلتا ہے ۔ یہ درحقیقت ان ہی کی خدمت ہے جو قابل صد تحسین و ستائش ہے ۔اس معجم نے ہندوستان کے مدارس اور درس گاہوں میں عربی زبان کی تعلیم کی ایک بڑی کمی کو پورا کر دیا ہے ۔''

(المعجم الاعظم جلد اول :ص:۱۵، ۱۶،سن اشاعت :جولائی ۱۹۳۶ء)

اس لغت کا ۱۲۴ ؍صفحات پر مشتمل مقدّمہ علامۂ محقق المؤلفین سلطان المترجمین والمصنفین حکیم کبیر الدین ،نائب صدر نظامیہ طبی کالج حیدر آباد دکن و سابق امیر جامۂ طبیہ دہلی ،وشیرک صدر رابطۃ التالیف والترجمہ ہند نے تحریر کیا

ہے۔جس میں عربی زبان اوراس کی اہمیت ،زبان کی عظمت ،قوم کی عظمت ،عربی زبان اوراس کا مرتبہ غیر مسلم کی نگاہ میں ،عربوں کی تاریخی عظمت ،عربی زبان کا سرمایہ علوم وصنائع اور کتب عربیہ، علمی میدان میں عربوں کی حیرت انگیز دوڑ اوراس کے اسباب ووسائل اور علوم عربیہ علوم وصنائع وغیرہ جیسے موضوعات پر مدلل اور تفصیلی گفتگو کی ہے۔انہوں نے ان علوم کے نام بھی پیش کیے ہیں جن کی صراحت کَشْفُ الظُّنُونْ نامی کتاب میں ہے۔اوراس کے مطالب بھی بیان کیے ہیں۔علوم کی تعداد ۲۴۷ رہے۔حکیم کبیر الدین مقدمہ میں لغت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''یہ معلوم ہے کہ''عربی اردو لغت'' ہے یعنی اس میں عربی الفاظ کے معانی و مطالب اردو مترادفات وتوضیحات کے ذریعہ سمجھائے گئے ہیں،اس لئے یہ کتنی کھلی بات ہے کہ ایسے ذُو الْجِهتینِ لغت کے لکھنے کے لئے ایسا ہی شخص موزوں ہو سکتا ہے جو خود بھی ذُو الْجِهتین ہو۔چنانچہ استاذ حسن الاعظمی خوش قسمتی سے ایسے ہی ذوالنورین ہندی جوان ہیں جن کی عمر کا ابتدائی حصہ اگر ہندوستان میں گزرا ہے تو فضل وکمال حاصل کرنے کا دوسرا حصہ مصر میں۔اس طرح اس لغت کی خوبی کا اندازہ قائم کرنے میں بڑی سہولت ہوجاتی ہے کہ ایسے جامع اللسانین فاضل کا مدون کیا ہوا لغت کتنے محاسن کا جامع ہوگا۔

حق تو یہ ہے کہ صحیح وقت اور شدید ترین ضرورت کے وقت یہ لغت معرض وجود میں آیا ہے،اس کی مثال ٹھنڈے میٹھے پانی کے اس گھونٹ کی ہے جو کسی جان دیتے ہوئے پیاسے کو مل جائے اوراس کی رگوں میں دوڑ کر اس کی زندگی کا سہارا بن جائے۔مجھے معلوم ہے کہ بعض لغت اردو میں لکھے گئے ہیں لیکن اس کی زندگی کا معیار محض یہ ہے کہ اگر المعجم الاعظم کے سامنے یہ رکھے جائیں،تو ان کا ہونا از خود نہ ہونے کے مساوی ہوجائے۔''

یورپ کی ساحری دم توڑ رہی ہے، مداری اپنے کرتب دکھا کر ایشیا سے کوچ کرنا چاہتا ہے مغرب کے ساتھ مغرب زدگی کی وباء بھی رخصت ہونے والی ہے جس کی مسموم فضاء میں سارے مشرقی علوم اور سارے مشرقی صنائع مرجھا گئے تھے، آنکھوں کے سامنے سے وہ پردے ہٹنے والے ہیں اور غلامی کے نامبارک زمانہ میں طبقات چشم پر چھا جایا کرتے ہیں جس سے اپنی عظمتیں اور عزتیں مستور ہو جایا کرتی ہیں اور اپنی ''بڑائی'' کی صورت میں نظر نہیں آتی، بہر حال کسی دم میں مشرقی علوم ابھرنے والے ہیں، ان کی یتیمی ختم ہونے والی ہے، رشید و مامون کے دور میں برکات وظہور ہونے والا ہے، اور ان کا ستارا رجعت و ادبار سے نکل کر سعادت و اقبال کی منزلت حاصل کرنے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی شدید ضرورت کے وقت اس لغت کا وجود کیسا مسعود، اور اس کی اعانت کس قدر ضروری ہے۔''

(المعجم الاعظم جلد اول: ص: ۱۴۲، ۱۴۳ سن اشاعت: جولائی ۱۹۴۶ء)

۹۔ آج کا مصر

مصر سے مراجعت کے بعد ۱۹۴۱ء میں لاہور ریڈیو کی خواہش پر پروفیسر اعظمی کو ''آج کا مصر'' کے عنوان پر ایک تقریر نشر کرنے کا اتفاق ہوا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس قدر تشریح طلب عنوان پر ریڈیو کے نپے تلے اوقات میں مصر جیسے ترقی یافتہ اور تاریخی ملک پر شرح و بسط سے روشنی ڈالنا تو ایک طرف فقط وہاں کے نوادرات بیان کرنے کی بھی گنجائش نہیں نکالی جاسکتی چنانچہ اوقات نے جس حد تک اجازت دی ضروری معلومات پر مشتمل کچھ مضامین یکجا کر کے یہ کتاب شائع کر دی گئی۔ اس سلسلہ میں اس کتاب کے تعارف میں عبد المجید سالک، لاہور رقم طراز ہیں کہ:

''لاہور میں عزیزی عبد السلام صاحب خورشید سے ملاقات ہوئی اور دفعتہً میں نے دیکھا کہ پروفیسر صاحب مصر کے متعلق صحیح تریں اور تازہ تریں معلومات

بہم پہنچا رہے ہیں، اور خورشید سلمہٗ ان معلومات کو ابواب وفصول کی شکل میں مرتب کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ دس بارہ دن ہی کے اندر یہ کتاب تیار ہوگئی۔ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ یہ اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے اس کو پڑھنے سے آپ کو مصر کی تاریخ اس کی سیاست، اس کے علمی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی مشاغل اور شخصیتوں کے متعلق جو کچھ معلوم ہوگا وہ کسی سیّاح کو دو چار بار مصر کا سفر کرنے سے بھی میسر نہیں ہوگا۔'' (آج کا مصر صفحہ ۵،۶)

یہ کتاب عموماً پسند کی گئی اور خصوصیت کے ساتھ ان سپاہیوں نے جو لیبیا کی جنگ میں شریک ہونے کیلئے مصر جانے والے تھے اس کتاب کو بطور ایک گائڈ ہاتھوں ہاتھ خرید لیا۔

۱۷۱ صفحات پر مشتمل یہ کتاب اردو اکیڈیمی لاہور سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔

۱۰۔ الرسائل الاعظمیہ (حصہ اول)

ادباء مصر اور علماء ہند کے اصل خطوط کا مجموعہ جس کے مطالعہ سے عربی خطوط نویسی کی بلندی اور ادب کے جدید معیار کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے اور ان پر عبور حاصل کرنے سے عربی خطوط نویسی پر قدرت حاصل کی جا سکتی ہے۔

۱۱۔ القراۃ القرآنیہ

قرآن اور حدیث کے اخلاقی و دیگر نظریات کو بطرز جدید مختلف عنوانات کے تحت عربی اردو اور انگریزی میں اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ نوجوانوں کیلئے مشعل راہ بنے اور قرآن وحدیث سمجھنا ان کے لیئے آسان ہو جائے۔

پروفیسر اعظمی نے یہ کتاب اپنی تنظیم کے عہدہ داران اور اراکین کی خواہش اور کوششوں سے تصنیف کی۔ اس کتاب میں سب سے پہلے قرآن کی اخلاقی تعلیم کے (۱۲۵) اسباق کو پانچ حصوں میں پیش کیا گیا تاکہ پانچویں چھٹیں ساتویں

آٹھویں اور نویں جماعتوں میں بالترتیب یہ کتب پڑھائی جاسکیں اور میٹرک میں ان سب حصوں کا بیک وقت امتحان لیا جاسکے نیز اس کے دوسرے حصص جو احکام قصص، عبادات وغیرہ پر مشتمل ہوں گے وہ بی اے تک کی جماعتوں کیلئے مخصوص ہونگے اور ایم اے میں پورے قرآن معہ تفسیر کا امتحان لیا جائے گا۔ ان کتابوں کی مدد سے قرآنی نظریات کے سمجھنے میں جتنی سہولت ہوگی اسی قدر عربی سیکھنے میں مدد ملے گی۔ اس کتاب میں متن کے ساتھ اردو انگریزی دونوں زبانوں میں ترجمہ ہونے کی وجہ سے ہمارملک ہندوستان کے ہرصوبے کے باشندے اس سے فائدہ اٹھاسکیں نیز مقررین اور محققین اس کی تبویب سے بڑا استفادہ بھی کرسکیں۔ اسی مقصد کے تحت اعظمی صاحب نے اسے تصنیف کیا۔

۱۲۔ محاضرات عن مصر

مصر کے متعلق ان تقاریر کا مجموعہ جس کا خلاصہ اورینٹل کالج میگزین میں شائع ہوا۔

۱۳۔ بحث عن الشیعۃ

جس کا فارسی ترجمہ طہران میں حکومت کی طرف سے شائع ہو چکا ہے اور ترجمہ شائع ہونے کے بعد شاہِ ایران رضا شاہ پہلوی نے مصنف کو اپنے سفیرا کبر بہمن مقیم قاہرہ کے توسط سے ایران آنے کی دعوت دی تھی تا کہ اس طرح کی اور کتابیں شائع کر کے سنی شیعہ اتحاد کو استوار کیا جاسکے۔

۱۴۔ شرح دیوان الامیر تمیم الفاطمی

جسے مصری حکومت نے ہزار سالہ جوبلی کیلئے ''دارالکتب المصریہ باب الخلق'' سے شائع کیا ہے۔ اور یہ کتاب ان چند کتب میں سے ہے جسے حکومت مصری کے حکم سے ڈاکٹر طٰہٰ حسین وائس چانسلر، ڈاکٹر عبد الوہاب عزّام پرنسپل کلیۃ اللغۃ

العربیہ ازہر یونیورسٹی ،استاد احمد امین مدیر الثقافۃ اور فیلسوف مصر منصور بک فہمی وغیرہ نے اس زندہ جاوید یادگار کیلئے منتخب کیا۔

۱۵۔شرعی پردہ اور مسلم خاتون

یہ کتاب ۵۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔جسمیں اسلامی صحیح پردہ اور حقوق نسواں پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۶۔فتح الہند

عربی میں ہندوستان کی سیاسی جماعتوں اور معاشرتی وعلمی انجمنوں اور ہندوستان کی نمایاں شخصیتوں اور مشاہیر پر نیز قابل دید مقامات اور تاریخی آثار پر تقریباً ۶۰۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ہے۔

۱۷۔آزاد مصر

پروفیسر اعظمی نے پہلے ''آج کا مصر'' کے عنوان کے تحت ایک کتاب تصنیف کی جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔''آج کا مصر'' مطالعہ کرنے کے بعد مسلمانوں کے اپنے اس قدیم ترین اور اہم ترین تاریخی مقام کے حالات سے روبرو ہونے کا ذوق دیکھ کر پروفیسر اعظمی کو فرض محسوس ہونے لگا کہ اب اس موضوع پر ایک ایسی کتاب لکھنا اشد ضروری ہے جو اس سے زیادہ جامع ہو اور مصر کے تاریخی لیل ونہار پر زیادہ سے زیادہ روشنی ڈال سکے۔

۸۱۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مصر کے اہم تاریخی واقعات و نوادرات کے علاوہ متقدمین ومتأخرین زعماء کی سیرت پیش کی گئی ہے تاکہ ان کے برگزیدہ اخلاق، وطنی خدمات اور عظیم الشان کارنامے موجودہ اور آنے والی نسلوں کیلئے ایک ایسا مشعل راہ اور بصیرت افروز سبق ثابت ہوں جن پر ہم اپنے ملک کی ترقیوں اور ملی سربلندیوں کی بنیاد ڈال سکیں۔

۱۸۔اردو عربی لغات

تقریباً دو ہزار صفحات پر مشتمل لغات اس وقت پیش کی گئی جب اردو عربی لغات کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی تھی ۔اور مقام حیرت و استعجاب ہے کہ ہندوستان کے عربی علم وادب کے ماہرین اور فضلاء نے اس کمی کو پورا کرنے کیلئے صدیوں تک کوئی اقدام نہیں کیا۔خدا کا شکر ہے کہ فاضل جواں سال اور جواں ہمت مؤلفین نے اس اہم مشکل اور عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا۔ہزار ہا دقتوں کا سامنا کیا۔اور حالات ناموافقت اور ناسازگاری کے باوجود ایک بہت بڑی علمی خدمت سرانجام دینے میں کامیاب ہوئے۔

اردو عربی لغات میں نہ صرف قدیم وجدید الفاظ کا بہت بڑا ذ کیرہ جمع کردیا گیا ہے، بلکہ چیدہ چیدہ محاورات اور منتخب ضرب المثال بھی درج کردی گئی ہیں۔ الفاظ کی تحقیق وتدقیق نہایت جانفشانی کے ساتھ کی گئی ہے۔

۱۹۔داعیان اتحاد اسلامی اور قرآنی زبان

۲۷۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب چند متفرق مضامین کا مجموعہ ہے جو متعدد افراد کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ابتدائی پانچ مضامین (جو غالباً اعظمی صاحب کے قلم سے ہیں) سید جمال الدین افغانی ،مفتی عبدہٗ، شیخ طنطاوی جوہری ،شیخ مصطفی المراغی اور شیخ مصطفی عبدالرزاق سے متعلق ہیں۔یہ سارے مضامین سوانحی نوعیت کے ہیں اور ان میں وہی واقعات درج ہیں جو ان بزرگوں سے متعلق دوسری تحریروں میں بھی مل جاتے ہیں۔ان مضامین میں پروفیسر اعظمی نے شیخ مصطفی المراغی، شیخ طنطاوی جوہری وغیرہ سے اپنی ملاقاتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں مختلف لوگوں کے مضامین ہیں جن سے ان تمام کوششوں کی تفصیل معلوم ہوتی ہے جو پروفیسر حسن اعظمی عربی زبان کی ترویج

اور اتحاد عالم اسلامی کے لیے کرتے رہے ہیں۔عربی زبان کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کے سلسلہ میں بھی اس کتاب میں اچھا مواد موجود ہے۔

٢٠: محمد عبدُہ اور پان اسلامزم

پروفیسر اعظمی کے ذریعہ ترتیب دی گئی اس کتاب کو عربی مصادر سے رابطۂ تالیف وترجمہ حیدرآباد کے ایک سرگرم رکن حکیم عبدالوہاب صاحب ظہوریؔ سے ترجمہ کرایا گیا ہے جو بہت ضروری ترمیمات کے ساتھ ناظرین کی خدمت میں پیش کی گئی ہے۔

اس کتاب میں علامہ ممدوح کے تبحر علمی کا ایک رخ آپ کی بیباک اجتہاد و استنباط ،اسلامی رسوم پر بے لوث اور قیمتی آراء،مختلف فیہا مسائل پر آپ کے آزادانہ اور ناطق فیصلے پیش کیئے گئے ہیں۔

پروفیسر اعظمی نے اس کتاب کو علامہ طنطاوی جوہری مفسر قرآن کے نام منسوب کی ہے ،جنہوں نے تحریک اخوت اسلامیہ مصر میں نمایاں حصہ لیا اور پروفیسر اعظمی کو اپنا روحانی فرزند بنانے کا شرف عطا کیا۔

یہ کتاب ٤٥٦ صفحات پر مشتمل ہے جسے فاران لمیٹیڈ کراچی نے ١٩٨٤ء میں شائع کیا۔

باب سوم

محمد حسن الاعظمی علماء اور دانشوروں کی نظر میں

(۱) صالح بن غالب نواب سیف نواز جنگ بہادر سلطان مکلا، صدر انجمن اشاعت عربی ہند المعجم الاعظم میں اعظمی صاحب کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ:

پروفیسر حسن الاعظمی جن کا تعلق علماء ہند سے ہے۔ انہوں نے کئی سال تک ہندوستان کی عربی درسگاہوں میں تعلیم پائی اس کے بعد جامع ازہر مصر تشریف لے گئے جو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی ہے۔ یہاں انہوں نے امتیازی طور پر عالمی ڈگری (شہادۃ عالمیہ) حاصل کی، پھر جامعۂ مصریہ میں بہ حیثیت مدرس (پروفیسر) آپ کا تقرر ہوا۔ جماعت اخوت اسلامیہ قاہرہ کے جنرل سکریٹری مقرر کیے گئے۔ عرصہ دراز تک جامع ازہر میں شیخ رواق (مانیٹر) کے فرائض انجام دیے۔ اپنی سعی پیہم سے اردو زبان کو جامعۂ مصریہ میں داخل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ حکومت مصریہ نے ازہر کے جشن ہزار سالہ کے سلسلہ میں ان کی کتاب (شرح دیوان امیر تمیم فاطمی) کو شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ جب ہندوستان لوٹے تو ان کو پنجاب یونیورسٹی میں استاذ مقرر کیا گیا، پھر یہ جناح کالج کے سکریٹری رہے یہاں انہوں نے کلیۃ العربیہ اور رابطۂ تالیف وترجمہ قائم کیا۔ آج کل یہ ہندوستان میں عربی زبان کی نشر و اشاعت کے لئے اپنی لگاتار کوشش صرف

کررہے ہیں ،اس موضوع میں ان کی بہت سے کتابیں ہیں ہماری تمنا ہے کہ یہ اپنے تمام مقاصداوراپنی تمام سرگرمیوں میں کامیاب ہوجائیں۔

(۲)علامۂ محقق فخر المؤلفین سلطان المترجمین والمصنفین حکیم کبیرالدین ،نائب صدر نظامیہ طبی کالج حیدرآباد دکن،وسابق امیر جامعۂ طبیہ دہلی وشریک صدر رابطۃ التالیف والترجمہ۔ ہندا المعجم الاعظم یعنی عربی اردولغات کے حصہ اول کے مقدمہ میں محمد حسن الاعظمی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ:

اعظمی صاحب کو پہلے میں دور سے دیکھتا ،اوران کے حالات سنتا رہا،اب چندروز سے انہیں ذرا نزدیک سے دیکھ رہاہوں ،مگر میں یہ نہ جانتا تھا کہ ایک دن مجھے ان کا تعارف بھی کرانا پڑیگا،اگر پہلے سے ایسا اندیشہ ہوتا،تو میں اپنے سرسری مطالعہ کوذرا گہرا کردیتا،اورآج بڑی آسانی ہوتی۔

اعظمی صاحب کیا ہیں؟ دشواری یہی ہے کہ میں ابھی تک اسی مشکل کوحل نہیں کرسکا میں ابتک جوکچھ سمجھ سکا ہوں ،اورمیرا مَبلغ علم جس حدتک رہبری کررہا ہے ،وہ صرف یہ ہے کہ ان کی متحرک اورمحرک روح ان ہی چندآلاتِ حمل ونقل میں کہیں چھپی ہوئی ہے۔ یہ فیصلہ بھی دشوار ہے کہ سب میں ہے، یاایک ہیں:

سیارہ۔طیارہ۔درّاجہ۔طرّادہ۔حرّاقہ۔غوّاصہ۔نسّافہ۔دبّابہ۔قاطرہ۔

آخرالذکرلفظ قاطِرہ پر مجھ پر تعجب ہے کہ عربوں کے ذوقِ لطیف نے اسے غیرمتوزن کیوں رہنے دیا۔میں اب بھی انہیں مشورہ دونگا کہ اسے بلحاظ وزن دوسروں کے مساوی کردیں جولوگ اعظمی صاحب کے کردار سے، گفتار سے،تقریرِ شعلہ بار سے،عزم واستقلال سے،حوصلہ کی پرواز سے، جرأت وہمت سے اورعمل کی قوت وشدت سے واقف ہیں ،وہ میری بات میں حقیقت کاایک سراغ پائیں گے،اور مجھے مبالغہ سے خالی ایک سچا معرف تسلیم کرلیں گے۔

ہم آپ جب چلتے ہیں، تو اکیلے چلتے ہیں، اعظمی صاحب جب چلتے ہیں تو ان کے ساتھ ایک فوج یا ایک برات چلتی ہے۔

ہم آپ جب کوئی کام شروع کرتے ہیں، تو ایک کام شروع کرتے ہیں ۔ اعظمی صاحب وقت واحد میں چار پانچ کام شروع کر دیتے ہیں، اور سب کو ایک ساتھ لے چلتے ہیں۔

ہماری راہ میں کوئی روڑہ ملتا ہے، تو ہم اسے نرمی کے ساتھ کنارے ہٹا دیتے ہیں اعظمی صاحب کی راہ میں کوئی دشمن روڑہ پتھر ڈالتا ہے، تو وہ اسے گرمی کے ساتھ روند کر چورا کر دیتے ہیں۔

ان کے عزائم وتصورات کی پرواز طیارے سے تیز اور بلند، ان کی تقریر و خطابت کی حرارت حرّاتے کی شعلہ باری سے شدید تر۔

جب کسی حملہ آور مخالف کی مدافعت کا قصد کر لیتے ہیں، تو اپنے خطرناک مدافع کے پھٹنے والے گولوں سے اس کا ناطقہ بند کر دیتے ہیں۔

جب ان کی بلند پروازی کسی بام بلند پر چڑھنے کا ارادہ کرتی ہے، اور فرض کیجئے، کہ سیڑھی نہیں ہے، تو وہ بہت زیادہ نجّار کے منت کش نہیں ہوتے، اور زیادہ دیر تک زحمتِ انتظار گوارا نہیں کرتے، وہ سیڑھی کے بغیر ہی چڑھ جانے کی کوشش کرتے ہیں، یا خود ہی سیڑھی بنا لیتے ہیں۔

اگر میری باتوں میں آپ کو شک ہو، تو میں شہادت میں علماءِ ازہر کے معتبر گواہوں کو پیش کرتا ہوں، جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ ایک ہندی جوان نے اپنی قوت عمل کے کیسے اچھے اثرات مصریوں کے قلوب میں چھوڑے ہیں۔

جب اعظمی صاحب کم وبیش عرصہ کے لئے مصر چھوڑ کر ہندوستان چلے آئے تو ان کے غیاب میں ان کی جگہ جماعۃ الاخوۃِ الاسلامیہ کے معتمد استاذ

عَبّو دالمرؒ بنائے گئے ،معتمدی کا جائزہ حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اعظمی صاحب کو خط لکھا ہے،جس میں بے ساختہ ان کے قلم سے وہ تاثرات بہہ گئے ہیں جو اعظمی صاحب کے خصوصیات ذاتی پر روشنی ڈالتے ہیں:

جب آپ کے اسم عظیم (بڑے نام) پر نظر پڑ گئی اور اسی کے قریب دوسرے خانہ میں آپ کا پتہ لکھا ہوا مل گیا تو کشش شوق سے مجبور ہو کر اسی دم بلا تأمل یہ خط آپ کے نام لکھنا شروع کر دیا۔ میری آنکھیں آپ کو مصر میں مسلمان بھائیوں کے درمیان، اور قبّہ غوری کے اندر ڈھونڈتی ہیں۔ میرے بھائی آپ نے (دور ہو کر) ہماری جماعت میں ایک ایسی خلاء پیدا کر دی ہے، جسے کوئی پر نہیں کر سکتا ،نہ آدھی نہ چوتھا جماعت اخوۃ اور اس کے صدر حرکت میں آچکے ہیں معتمدی کے فرائض کے لئے لوگوں نے آپ کی جگہ مجھے پھنسا دیا ہے لیکن اگر یہ ممکن ہے کہ تارہ سورج کی جگہ لے لے، تو میرے لئے یہ کہنا بھی جائز ہے کہ میں اعظمی کا جانشین ہوں۔

کہاں میرا ضعف اور کہاں آپ کی قوت کہاں میری بے مائگی اور کہاں آپ کا غلبہ، کہاں میری پژمردگی اور کہاں آپ کی زندگی ،کہاں میری سستی اور کاہلی اور کہاں آپ کی چستی اور حرکت۔

اعظمی صاحب کے خلیفہ اس کے بعد اس شہرت کا دلچسپ تذکرہ کرتے ہیں جو اعظمی صاحب کی چستی اور قوت عمل سے متعلق ہے:

برادر من! آپ کی حرکت ،چستی ،اور زندگی ہماری جماعت میں مشہور ہے ،حتیٰ کہ آپ کے بارے میں میرے دوست شیخ کامل مجلّان (عالم ازہر) نے کہا ہے:

''اگر سمندر کا راستہ اعظمی کے لئے باعث تاخیر بنے، تو وہ پا پیادہ چل کر مصر

پہنچ جائیں گے''۔
اس جملہ کی تصدیق صاوی شعلان ،اقبال (فیلسوف ہند) کے عاشق نے اس طرح کی کہ:
اعظمی یقینااس پر قادر ہیں
آخر میں عبّو دالزمر صاحب قسم دے کر اعظمی صاحب کو مخاطب کرتے ہیں:
''دریخدا یا بتایئے آپ کب تک مصر پہنچ رہے ہیں کہ معتمدی کے فرائض سے مجھے چھٹکارا دلوائیں۔ یہ کام مجھ سے اچھی طرح انجام نہیں پار ہا ہے،اور آپ اُس کی ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔''
ایک خط میں اعظمی صاحب کے ایک دوست عبداللہ آفندی الجندی ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:
''آپ ابتک اپنی شخصیت اور مرتبت سے آگاہ نہیں جو مصر میں اکثر لوگوں کی زبانوں پر آج ہے۔آپ کی جدائی سے خلا پیدا ہوگئی ہے،اس کا اندازہ اب انہیں ہوا شاعر کا یہ قول آپ پر بالکل صادق ہے:
''انہوں نے اپنے دوست کو گم ہونے کے بعد پہچانا جس طرح چاند گم ہونے کے بعد پہچانا جاتا ہے''
یہاں ہر شخص یہی کہہ رہا ہے کہ ہم استاذ اعظمی کو ان کے سفر کے بعد ہی پہچان سکے۔فی الحقیقت آپ معاشرتی خدمات اور علمی جدو جہد میں بحر موّاج اور بے کنار سمندر تھے''
اس پر جوش اور بے چین فطرت سے نہ صرف اعظمی صاحب کو شخصی فائدہ یہ حاصل ہوا کہ وہ مصریوں کی نگاہ میں محبوب بن گئے، بلکہ قومی حیثیت سے ہمیں یہ نفع پہنچا کہ ہم ہندوستانیوں کی ''بے عملی اور تنگ نظری'' کی شکایت جو مصریوں کو ہے

،اور حقیقت یہ ہے کہ یہ شکایت بالکل درست ہے، وہ اعظمی صاحب کی وجہ سے کسی حد تک ہلکی پڑ گئی۔

مصر میں اعظمی صاحب کے دو کارنامے

یہ امر کہ اعظمی صاحب جامع ازہر کی سب سے بڑی سند (شہادۃ عالمہ) رکھتے ہیں، جس کا امتحان ۱۹۳۸ء میں ہوا، اور یہ کہ یہ ایسا سخت امتحان تھا کہ ایک سو گیارہ طلبہ میں سے صرف تیرہ طلبہ کامیاب ہوئے، میرے نزدیک اتنا زیادہ اہم نہیں، کہ اسے نادر واقعہ کہا جا سکے، ہندوستان کے طلبہ کی ایک تعداد جامع ازہر تک برابر پہنچ رہی ہے ان میں ایسے لوگ بھی ہونگے، جو اس امتحان میں شریک ہوئے ہوں، اور کامیابی کے کے بعد عالمیہ کی سند حاصل کی ہو۔

قابل ذکر اور انوکھی جو چیز ہے، وہ یہ ہے کہ مصر جیسے زندہ اور متحرک ملک میں حرکت وعمل کی جو مثال اعظمی صاحب نے پیش کی ہے، ان پیش رووں میں سے کسی نے (جہاں تک مجھے علم ہے) اس قسم کا کوئی نمونہ قائم نہیں کیا۔

اس سلسلے میں انہیں کن کن مشکلات ومصائب سے دوچار ہونا پڑا اور کتنی محنت شاقّہ برداشت کرنی پڑی، اس کا حساب اعظمی صاحب ہی بتا سکتے ہیں، صرف دو کاموں کا تذکرہ اس وقت کرنا چاہتا ہوں، جو میرے نزدیک جلیل القدر ہیں

(الف) جماعۃ الأخوۃ الاسلامیہ

سرزمین مصر اس زمانہ میں دنیائے اسلام کے لئے دار العلم بغداد کا درجہ رکھتا ہے جہاں تمام عالم کشاں کشاں علم کے پیاسے اپنی پیاس بجھانے کے لئے آتے ہیں ایسے مرکزی مقام میں ایک انجمن اتحاد کی ضرورت کتنی شدید تھی علامہ طنطاوی جوہری کو تیس سال سے اس کا احساس تھا مگر باوجود کوشش کے وہ اس میں کامیاب

نہ ہو سکے، اس کا سہرا ایک ہندی نوجوان کی قسمت میں تھا، اعظمی صاحب ان تھک محنت سے یہ مرحلہ آخر سر ہو کر رہا، اور طنطاوی مرحوم سے کلمۂ تبریک اور خراج تحسین وصول کر کے چھوڑا۔ اور نہ صرف استحسان کے خالی الفاظ کی حد تک، بلکہ اس کے ساتھ بہت بڑی علمی دولت بھی حاصل کی: یعنی طنطاوی مرحوم نے اپنا پورا کتب خانہ اُخُوّ ۃ کے لئے وقف کر دیا، جو عظیم الشان تفسیر لکھنے کے لئے جمع کیا گیا تھا۔

(ب) اردو کی شرکت جامعہ مصریہ کے نصاب میں

استاذ حسن الاعظمی کا دوسرا قابل ذکر کارنامہ یہ ہے کہ اُن کے پیہم مساعی سے اردو کو سرکاری طور پر ایک علمی ادبی زبان قرار دیا گیا اور شاہی فرمان کے ذریعہ اسے جامعہ مصریہ کے نصاب میں شریک کیا گیا۔

اس تاریخی واقعہ کا دوسرا جز بھی اسی طرح تاریخی ہے کہ جامعہ مصریہ نے آخری جماعت درجۂ استاذ کی تعلیم اردو کے لئے اعظمی صاحب ہی کا تقرر کیا، الغرض مصر کی تاریخ اردو میں آپ کا نام ہمیشہ کے لئے اولیت کے ساتھ ثبت ہو گیا وذٰلک فضل اللّٰہ یُؤتیہِ مَن یَشَاء:

اس سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک آخری بات

جب میں اعظمی صاحب کے مصری دوستوں کے اشتیاق بھرے بھرے خطوط پڑھتا ہوں، جن کی آنکھوں کے سامنے عمل کا ایک پیکر مجسم آتا جاتا، چلتا پھرتا نظر آتا ہے، تو بلا ارادہ جگر مراد آبادی کا یہ شعر زبان پر رواں ہو جاتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ استاذ صاوی شعلان اور استاذ عبداللہ الجندی اس شعر سے خاص طور پر

لطف اندوز ہونگے :

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی، نظر میں اب تک سمارہے ہیں
یہ چل رہے ہیں، یہ پھر رہے ہیں، یہ آ رہے ہیں، یہ جا رہے ہیں

(۳) محمد عبد القدیر القادری بدایونی، امیر جامعہ نظامیہ ومفتی دولت آصفیہ حیدرآباد دکن ہند، القراءۃ الاعظمیہ حصہ سوم میں پروفیسر اعظمی کا تعارف کراتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

مولانا محمد حسن الاعظمی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں صاحب موصوف کی مساعی علمیہ کی شہرت تمام ہندوستان میں اور ہندوستان سے زیادہ مصر اور بلاد اسلامیہ میں ہے۔ آپ وہ صاحبِ عزم ہندوستانی ہیں جنہوں نے جامعہ از ہر مصر سے تکمیل کی ڈگری حاصل فرمائی۔ اور پھر پختہ ارادہ کرلیا کہ اپنی تمام عمر خدمت علم وادب عربی کے لیے وقف فرماویں گے۔ آپ اس وقت جامعہ مصریہ میں پروفیسر ہیں اور جماعت الاخوۃ اسلامیہ قاہرہ کے جنرل سکریٹری بھی ہیں، آپ کی مشہور ادبی کتاب شرح دیوان امیر تمیم کو حکومت مصر نے ہزار سالہ جوبلی کے لئے شایع کیا ہے اور آپ کی عربی تقریر کا ریکارڈ لندن کے ریڈیو سے سنایا گیا۔ دوران جنگ میں آپ کو کچھ عرصہ کے لئے ہندوستان آنا پڑا اور سوئے اتفاق سے خیال سے زیادہ یہاں قیام کرنا پڑا۔ لیکن موصوف نے یہ وقت بیکار نہ گزارا۔ اس وقت جناح ایجوکیشنل بورڈ لاہور کے سکریٹری ہیں اور سلسلۂ تالیف وتصنیف بھی برابر جاری ہے۔ اس نظریہ کو اپنا مقصد حیات بنالیا ہے کہ عربی زبان کو عملی طور سے تمام مسلمانان عالم کی مشترک زبان بنا دیا جائے۔ ہر مسلمان اپنے ملکی اور مقامی زبان کے ساتھ عربی سے بھی واقفیت رکھے۔ یہ ایک ایسا مبارک خیال ہے جس سے کسی فرد مسلم کو بھی اختلاف نہیں ہوگا، مگر افسوس ہے کہ یہاں علمی لحاظ سے اس وقت تک

اس کی تکمیل کے لئے کچھ بھی نہیں کیا گیا ہے۔اور تو اور ہندوستانی مدارس عربیہ سے عربی کی اعلیٰ جماعتوں میں ذریعہ تعلیم مقامی زبان ہوتی ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر مدارس کے فاضل حضرات عربی لکھنے کی معمولی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔استاد اعظمی اس کمی کو پورا کرنے کے لئے پوری توجہ فرما رہے ہیں۔اور متعدد رسائل ایسے تالیف کئے ہیں جس کی عبارت سہل اور مطالب مفید ہیں۔اگر یہ رسائل ہندوستانی مدارس میں شامل نصاب کر لئے جائیں اور ذریعہ تعلیم بھی عربی ہو تو یہ نقصان بہت جلد رفع ہو جائے گا۔

(۴) نواب حسن یار جنگ بہادر ،امیر پائگاہ وصدر مرکزی بزم اقبال ،حیدرآباد دکن ، پروفیسر اعظمی کی تصنیف اقبال کا فلسفہ حیات وموت کے پیش لفظ میں رقم طراز ہیں:

پروفیسر حسن الاعظمی صاحب نے علامہ اقبال کے فلسفۂ حیات وموت پر یہ کتاب (اقبال کا فلسفہ حیات وموت) تصنیف کر کے ایک نہایت اہم اسلامی خدمت انجام دی ہے۔

پروفیسر حسن الاعظمی غالباً پہلے ہندوستانی ہیں جن کو ایک مصری یونیورسٹی میں پروفیسری کا عہدہ دیا گیا آپ ہی کی کوشش سے زبان اردو کو مصری یونیورسٹی میں بطور ایک علمی زبان کے داخل کیا گیا۔جس پر شاہ مصر کا ایک طویل فرمان شائع ہو چکا ہے۔آپ کا ارادہ فلسفۂ اقبال پر اور بھی کتاب تصنیف کرنے کا ہے، جو نہایت قابل مبارکباد ہے۔

آپ کی اس تصنیف کو مملکت حیدرآباد کی مرکزی بزم اقبال کی جانب سے شائع کیا جارہا ہے۔اور یہ پہلی کتاب ہے جو بزم کی جانب سے طبع ہو کر شائع کی جارہی ہے۔مملکت حیدرآباد کی مرکزی بزم اقبال علامہ اقبال کے کلام و پیام کی

اشاعت کے سلسلہ میں آج تقریباً پانچ سال سے نہایت اہم کام انجام دے رہی ہے۔ اس بزم کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ دنیا کے ہر اہم مقام اور خصوصاً اسلامی ممالک کے ہر بڑے شہر میں بزم اقبال کا قیام عمل میں لایا جائے۔ چنانچہ اس کام کی انجام دہی کے لئے ایران، افغانستان، عراق وغیرہ میں کام شروع کر دیا گیا ہے اور مصر میں اس کام کی تکمیل کا بیڑا پروفیسر حسن الاعظمی نے اٹھایا ہے۔

(۵) سر عبدالقادر، چیف جسٹس بھاولپور پنجابو سابق مدیر رسالہ 'مخزن' نے اعظمی صاحب کی تصنیف اقبال کا فلسفہ حیات وموت کے تعارف میں پروفیسر اعظمی کی خدمات کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

بعض کتابوں کے ذریعے آپ (پروفیسر اعظمی) نے اہل مصر کو ہندوستان کے تاریخی اور دیگر حالات سے آگاہ کیا، پھر مصر کے حالات پر آپ نے اردو کتابیں لکھیں تاکہ دونوں ملکوں کو ایک دوسرے سے دلچسپی ہو، اور یہ دلچسپی ادبی اور تجارتی تعلقات کی ترقی کا زینہ بنے۔

لغت عربی کے متعلق بھی آپ چند کتابیں لکھ رہے ہیں جن میں المعجم الاعظم یا عربی اردو لغات چار جلدوں میں ہوگی اور دوسری اردو عربی لغات، اس کی بھی چار جلدیں ہونگی۔

ایک کتاب فلسفۂ اقبال پر عربی میں لکھی ہے، جس کے ذریعے انہوں نے مصر کے ذی علم طبقہ کو اقبال سے روشناس کیا۔

ہندوستانی مدارس میں عربی کو ہر دلعزیز کرنے کے لئے القرأۃ الاعظمیہ۔ المکالمۃ الاعظمیہ اور مدرس العربیہ کے نام سے متعدد کتابیں شائع کی جا چکی ہیں۔ یہ کتابیں کلیۃ اللغۃ العربیہ کے نصاب میں داخل کر لی گئی ہیں۔

ان علمی خدمات کے علاوہ ایک بڑا کام جو اعظمی صاحب نے انجام دیا ہے،

وہ یہ ہے انہوں نے مصراور دیگر اسلامی ممالک کے علماء اور ادیبوں کے تعاون سے ایک عالمگیر جماعت مصر میں قائم کی جس کا نام الاخوۃ اسلامیہ ہے۔

(۶) رئیس احمد جعفری، مدیر روزنامہ ''زمیں دار'' لاہور لکھتے ہیں کہ:

''انہوں نے اپنی غیر معمولی جدوجہد کے باعث ملت کی نگاہوں میں ایک خاص مقام حاصل کرلیا، بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ ان کی شخصیت بین الاسلامی حیثیت رکھتی ہے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ اعظمی صاحب سیماب وش طبیعت رکھتے ہیں، کسی پہلو انہیں قرار نہیں آتا، صبح ہو یا شام، دوپہر ہو یا رات، آفتاب کی تمازت ہو یا چاندنی کی بہار، موٹر ہو یا ٹیکسی، ٹرام ہو یا بس، ہر وقت وہ آمادۂ کار نظر آتے ہیں۔ اطمینان وفرصت کا کوئی لمحہ انہیں میسر نہیں۔'' (عظیم مصر، از حسن الاعظمی، تعارف از رئیس احمد جعفری، ص ۱۰، کراچی، اپریل ۱۹۸۱ء)

(۷) محمد رزق المصری، اعظمی صاحب کی خوبیوں کا تذکرہ آپ کی کتاب (اللآلی الاسلامیۃ الغالیہ من افکار اقبال وسعدی العالیۃ، مقدمہ از: رزق المصری ص: ۱۴ تا ۱۶) میں عربی زبان میں تحریر کیا ہے جس کا ماحصل مہتاب پیامی نے اپنی کتاب ''بابائے عربی حسن الاعظمی'' کے صفحہ ۵۶ و ۵۷ پر اس طرح پیش کیا ہے:

''شیخ محمد حسن اعظمی ایک ذہین وفطین، پرعزم، قوی الایمان ادیب وقلم کار، خطیب، خود اعتمادی کے پیکر اور ایک عظیم داعی و مصلح تھے۔ بغرض تعلیم جامعہ ازہر مصر گئے اور وہاں اعلیٰ وارفع مقام سے سرفراز کئے گئے۔ انہوں نے دوران تعلیم اپنی ذہانت وفراست سے اس حقیقت کا اندازہ لگایا تھا کہ مصر کی سرزمین وحدت اسلامی کی دعوت وتبلیغ کے لیے نہایت موثر اور موزوں ریاست ہے۔

استاد حسن الاعظمی اس مقصد خیر میں پورے انہماک اور توجہ سے جٹ گئے۔ علما اور طلبہ میں اپنی دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع کیا اور بڑی حد تک کامیاب

رہے۔مصر کے علماء وطلبہ اورعوام وخواص نے آپ کا ساتھ دیا۔مصر کے حکمراں طبقہ اوروزرا نے تکریم اورحوصلہ افزائی کی اوراعظمی صاحب کے علمی وفنی کمال کے معترف ہوئے۔شیخ حسن اعظمی نےتبلیغی مشن میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد’’ اخوتِ اسلامی‘ کے نام سے ایک کمیٹی تشکیل دی۔پروفیسرعبدالوہاب بک عزام استاذ جامع ازہرمصر،شیخ طنطاوی جوہر،شیخ مصطفیٰ عبدالرزاق پاشا،وزیرِ اوقاف مصروغیرہ کی سرپرستی میں یہ کمیٹی کام کرتی رہی۔کمیٹی کےارکان کی جانب سےحسن اعظمی اس کےسکریٹری مقرر ہوئے۔کمیٹی کےتوسط سےاعظمی صاحب پورےمصر میں چھا گئے اور پورے ملک میں عزت وعظمت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔اعظمی صاحب کی محنت رنگ لائی اوراس کمیٹی نے پوری دنیا کے مسلمانوں کوایک دھاگے میں پرونے کا کام کیا اوران سب کی حیثیت ایک قبیلہ وخاندان کی سی ہوگئی۔حسن اعظمی نے علماء وادبا کےتعاون سےمصرمیں بڑی اہم اورقیمتی خدمات انجام دیں۔یہ انہیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ جامع ازہرمصر میں اردو زبان کو تدریسی حیثیت دی گئی۔اورخوداعظمی صاحب اردو کےاستاذمقرر ہوئے۔اساتذۂ جامعہ ازہرمیں ڈاکٹر طٰحٰہ حسین بک،استادعبدالحمیدعبادی،استاذ احمدامین،ڈاکٹر حسن ابراہیم جیسےعلم وفضل میں یگانۂ روزگارافراد کاحسن اعظمی ہی کےتوسط سے اردوزبان سے رابطہ ہوا۔ڈاکٹرعبدالوہاب عزام اوراستادصاوی شعلان نےحسن الاعظمی صاحب ہی سےاردوزبان کی تعلیم حاصل کی۔

شیخ حسن الاعظمی نے جامع ازہرمصرسے عالمیت کی ڈگری اعلیٰ پوزیشن کے ساتھ حاصل کی۔اعظمی صاحب بہت سی کتابوں کے مصنف اور مترجم بھی ہیں۔بعض کتابیں زیورِطبع سے آراستہ ہوکرمنظرعام پرآچکی ہیں،بعض تصانیف زیرطبع ہیں۔عربی اور اردو زبانوں میں آپ کومہارت حاصل ہے اور دونوں

زبانوں میں آپ کی تالیفات موجود ہیں۔

(۸) عربی اسکالر ڈاکٹر عبدالوہاب عزام، حسن الاعظمی کی کتاب ''عظیم مصر'' کے پیش لفظ میں رقم طراز ہیں:

''جن لوگوں نے مصر پر اپنی خاص توجہ صَرف کی، وہیں اعلیٰ تعلیم حاصل کی، ان کے مسائل سے دل چسپی کا اظہار کیا، اس کے لیڈروں کی سیرت اور اس کے خاص خاص حادثات کے بارے میں کتابیں لکھیں، پروفیسر حسن الاعظمی موسس ''موتمر عالم اسلامی مرکزی'' ومعتمد'' پاکستان عرب کلچرل ایسوسی ایشن'' ان میں ایک اہم شخصیت کے مالک ہیں۔ جنہوں نے مصر کے بارے میں اپنی کتاب '' آزاد مصر'' اور'' آج کا مصر'' شائع کرائی جس کو پڑھ کر سیکڑوں قارئین اردو مستفید ہوئے اور اب وہ ان کا نیا ایڈیشن پہلی کتابوں میں کئی ابواب کا اضافہ کرنے کے بعد جن میں مختلف بڑے بڑے حادثات اور ان تبدیلیوں کا ذکر ہے جو مصر میں مذکورہ کتاب کی اشاعت کے بعد ظہور میں آئے، بنام'' انقلاب مصر'' شائع کر رہے ہیں۔ ہم ان کی اس جاں فشانی کے بے حد شکر گزار ہیں۔'' (عظیم مصر، از: حسن الاعظمی، پیش لفظ از: عبدالوہاب عزام، ص:۸، کراچی اپریل ۱۹۸۱ء)

(۹) کرنل عطاء الرحیم، حسن الاعظمی کی کتاب ''عظیم مصر'' میں تحریر کرتے ہیں کہ:

'' یہ نوجوان اعظم گڑھ کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا، اس نے ہندوستان کی مختلف درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی اور وحدتِ اسلامیہ کے جذبے سے متاثر ہوکر حج کے دوران مکہ کا سفر کیا۔ اس کے بعد ممالکِ اسلامیہ وعربیہ کا دورہ کرتے ہوئے وہ قاہرہ پہنچ گیا اور جامعہ ازہر سے'' الشہادۃ العالمیۃ'' کی ڈگری امتیاز کے ساتھ حاصل کی۔ اس ڈگری کے حاملین کو علمائے ازہر تصور کیا جاتا ہے۔

یہ سب کچھ اعظمی نے روپیہ کے بل بوتے پر نہیں کیا، بلکہ عزم راسخ کی مدد سے تمام مسائل کو حل کیا۔ اقبالؔ پر مختلف مضامین لکھے اور ایک کتاب کی شکل میں ان کو شائع کیا۔ اقبال کی مختلف نظموں کو ایک مصری شاعر کے تعاون سے عربی منظوم ترجمہ کیا۔ اسی زمانہ میں وہ جامعۂ مصر قاہرہ میں اردو کے پروفیسر مقرر ہوئے''۔

(عظیم مصر، از: حسن الاعظمی، تعارف از: کرنل عطاء الرحیم، ص: ۱۵، کراچی اپریل ۱۹۸۱ء)

(۱۰) مؤرخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوری اپنی کتاب ''تذکرۂ علمائے مبارکپور'' میں حسن الاعظمی کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''استاد محمد حسن الاعظمی مبارکپوری ازہری کی بہت سے عربی تصانیف قاہرہ اور بیروت سے شائع ہوئی ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں حکومت مصر نے جامع ازہر کے ہزار سالہ جشن کے موقع پر مشہور فاطمی حاکم امیر تمیم کا دیوان شائع کیا، جسے استاذ موصوف نے مرتب کیا ہے، پھر ۱۹۵۴ء میں مصر سے شائع ہوا۔ ان کی جدو جہد سے شاہ فاروق کے دور میں جامع ازہر میں پہلی بار اردو زبان کی تعلیم جاری ہوئی اور وہی اس کے پہلے معلم ہوئے۔'' کچھ دور جا کر مزید تحریر کرتے ہیں کہ ''استاذ محمد حسن ازہری نے اپنی سینکڑوں عربی و اردو تصانیف وتوالیف کے ذریعہ اسماعیلی مذہب کو ستر سے ظہور میں لا کھڑا کیا۔ ان کی سینکڑوں تصانیف میں ''المعجم الاعظم'' عربی اردو لغت اہم ترین کتاب ہے۔'' (شجرۂ مبارکپور یعنی تذکرہ علمائے مبارکپور، از قاضی اطہر مبارکپوری، ص: ۹۶، ۹۷، طبع دوم ۲۰۱۰ء)

(۱۱) ڈاکٹر شمیم احمد، چیئرمین نگر پالیکا پریشد۔ مبارکپور، اعظم گڑھ ''بابائے عربی حسن الاعظمی'' میں اپنا تاثر پیش کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

''مبارکپور میں قد آور علما، ادبا وشعرا پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی خدمات سے مبارکپور کو دنیا بھر میں متعارف کرایا، ایسے ہی قابل فخر لوگوں میں حسن الاعظمی

کا بھی شمار ہوتا ہے جو مبارکپور میں پیدا ہوئے اور یہیں بنیادی تعلیم حاصل کی، پھر حصولِ علم کے لیے مصر کا سفر کیا۔ حسن الاعظمی نے سیکڑوں کتابیں تصنیف کیں انہیں سو کتابوں کی اشاعت پر پاکستان میں بابائے عربی کا خطاب دیا گیا، انہوں نے جامعہ ازہر میں درس وتدریس کی خدمات انجام دینے کے ساتھ ہی عالم اسلام کے اس عظیم ادارہ میں شعبۂ اردو کے قیام میں کلیدی کردار ادا کیا نیز علامہ اقبال کو عرب دنیا سے متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔'' (**''بابائے عربی'' از مہتاب پیامی: تاثرات از ڈاکٹر شمیم احمد، ص:۶: دسمبر ۲۰۱۳ء**)

(۱۲) معروف صحافی احمد جاوید ریزیڈینٹ ایڈیٹر روزنامہ ''انقلاب'' پٹنہ ''بابائے عربی حسن الاعظمی''، میں اعظمی صاحب کی شخصیت کا تعارف اس انداز میں کرارہے ہیں کہ :

''آپ ایک ایسے شخص کا تصور کیجیے جس نے ہندوستان کے ایک بہت ہی چھوٹے مگر انتہائی متمول فرقہ اور یوپی کے ایک اہم صنعتی قصبہ کے ایک خوش حال تاجر خاندان میں آنکھیں کھولی ہوں۔ بقدرِ ضرورت اردو اور فارسی سیکھنے کے بعد عربی سیکھنے کی طرف متوجہ ہوا ہو اور اسی عمل میں ایک دن قرآن کریم کی ایک آیت نے اس نوجوان کو ایسا بے چین کر دیا ہو کہ وہ اپنے گھر بار، خاندان، رشتے ناطے اور فرقے سب کو تج کر سوئے حرم چل پڑا ہو اور پھر اس نے، بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل، کا وہ نعرۂ مستانہ بلند کیا ہو کہ ایک دنیا چونک اٹھی ہو، شہر کے خوگر کو وسعتِ صحرا، محو تحیرات کو شوق تماشا اور گم گشتۂ لن ترانی کو ذوقِ تقاضا سے آشنا کرنے، قلبوں کو تڑپانے، روحوں کو گرمانے اور وادیِ فاراں کے ہر ذرے کو چمکانے کی تگ ودو میں اپنی ساری زندگی لگادی ہو۔ یہ تصویر ہرگز کسی اور کی نہیں، علامہ حسن الاعظمی کی بنے گی جنھوں نے ملتِ اسلامیہ کے اتحاد، امت محمدیہ کے

اِحیااوراس کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی کے لیے کیا کچھ نہیں کیا لیکن ہم نے ان کو بھلانے میں دیر نہیں لگائی۔ علامہ اعظمی نے کسی فرقے کی بساط پر یہ تگ ودو کی ہوتی یا کسی مسلک کی آبیاری میں اپنا خون پسینہ ایک کیا ہوتا تو بھی شاید اتنی آسانی سے نہ بھلائے جاتے لیکن وہ تو سرشارِ مئے محبت واخوت تھے، دلوں کو جوڑنے اور عالم اسلام میں اتحاد واخوت کی روح پھونکنے کی جدوجہد کرتے رہے اور ہم گرفتارِ رسوم وقیود ایسے کہ جن کو وہ متحد کرنا چاہتے تھے ان میں یہ صدائیں اس وقت بھی اجنبی تھیں آج بھی اجنبی ہیں۔

اب شاید کسی کو یاد بھی نہیں کہ یہ علامہ حسن الاعظمی ہی تھے جنہوں نے مصر اور دیگر ممالک کے علما ومفکرین اور ادیبوں کے ساتھ مل کر قاہرہ میں جماعۃ الاخوۃ الاسلامیۃ کی بنیاد رکھی، جس کی کوکھ سے آگے چل کر 'موتمر العالم الاسلامی' اور پھر 'اتحاد العالم الاسلامی' کا جنم ہوا۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے اور اس کے دوران عالم اسلام کے سب سے بڑے علمی وثقافتی مرکز قاہرہ سے شائع ہونے والے کثیر الاشاعت رسائل وجرائد کے لیے علامہ اقبال کے اسلامی تصورات وپیغامات سے لبریز اشعار کا ترجمہ عربی زبان میں حسن الاعظمی نے ہی کیا جس کو جامعہ الازہر کے ممتاز شاعر استاد صاوی شعلانؒ نے منظوم کیا اور یہ وہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے شاعر مشرق کے کلام کا منثور ومنظوم ترجمہ کر کے عرب دنیا سے اقبالؒ اور ان کے فکر وفلسفہ کو متعارف کرایا تھا اور ۱۹۳۵ء سے یہ کلام 'جماعۃ الاخوۃ الاسلامیۃ' کے اجلاس میں دلچسپی سے سنے جانے لگے تھے۔ بغور دیکھیں تو وہ عرب وعجم بالخصوص مصر وہند میں ایک پُل کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے جہاں اہل عرب کو برِ عظیم ہند کے تاریخی وسیاسی حالات سے باخبر کیا وہیں دنیائے عرب اور مصر کے حالات پر اردو میں گرانقدر کتابیں لکھیں۔ ان کی مرتب کردہ عربی اردو لغت 'المعجم الاعظم' ۵

ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی اور پھر اردو عربی لغت بھی شائع ہوئی جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ گویا برِ عظیم میں عربی زبان وادب کے فروغ میں بھی ان کا غیر معمولی کردار ہے اور ملت اسلامیہ پر ان کے گونا گوں احسانات ہیں۔'' (''بابائے عربی'' از مہتاب پیامی: تاثرات از احمد جاوید، خادم 'انقلاب'، پٹنہ، جمعرات، ۵؍دسمبر ۲۰۱۳ء ص:۷، ۸: دسمبر ۲۰۱۳ء)

(۱۳) ڈاکٹر شباب الدین، صدر شعبۂ اردو، شبلی نیشنل پی جی کالج اعظم گڑھ'' بابائے عربی حسن الاعظمی'' میں اپنے تاثر میں تحریر کرتے ہیں کہ :

''اسی علمی گہوارہ (مبارکپور) کا ایک فرزند جلیل حسن الاعظمی بھی ہے جو بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں آسمانِ علم وادب پر طلوع ہوا، ابتدائی تعلیم مبارکپور ہی میں حاصل کی مگر طلبِ علم کے شوق نے اس کو سورت، حیدرآباد، لاہور اور کراچی کے ساتھ ساتھ مصر کی خاک چھاننے پر مجبور کردیا، فراغت کے بعد قاہرہ یونیورسٹی میں پروفیسری کے منصب پر فائز ہوئے، ان کی علمی و تصنیفی و تعلیمی خدمات اور اداراتی سرگرمیوں کا دائرہ خاصا وسیع ہے جن کی تفصیلات زیرِ نظر کتاب میں موجود ہیں۔ ہمارے نزدیک ان کا سب سے حیرت انگیز کارنامہ مصر میں اردو زبان وادب کے متعلق ان کی خدمات اور عالمِ عرب بالخصوص مصر میں علامہ اقبالؔ کو متعارف کرانا ہے۔ مبارکپور کے اس فرزند نے اردو نشو ونما اور ترقی کے لیے بڑی قابل فخر خدمت انجام دیں، عربوں کے لیے آسان اردو نصاب تیار کیا اور قاہرہ یونیورسٹی میں انہیں کی کوششوں سے باقاعدہ شعبۂ اردو قائم ہوا اور آج بھی یہ شعبہ پوری آب وتاب کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔''

(''بابائے عربی'' از مہتاب پیامی: تاثرات از ڈاکٹر شباب الدین، صدر شعبۂ اردو، شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ، ۳۰؍نومبر ۲۰۱۳ء ص:۹، ۱۰: دسمبر ۲۰۱۳ء)

(۱۴) مولانا انعام الرحمٰن انصاری مبارکپوری '' بابائے عربی حسن الاعظمی''

میں اعظمی صاحب کی علمی وادبی خدمات کو فراموش کیے جانے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے وعلامہ اقبال ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی مبارکپور کے ذریعہ انہیں یاد کیے جانے پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

''پروفیسر حسن الاعظمی کو دار فانی سے رخصت ہوئے تقریباً ڈیڑھ دہائی سے زائد عرصہ گزر چکا ہے ۔ان کے متعلقین ،احباب اور تلامذہ نیز اہل صحافت بالخصوص ہندوستان کی اردو اور عربی دنیائے ادب نے ان کی علمی وادبی خدمات پر خامہ فرسائی کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی ،سوائے علامہ اقبال ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی ،مبارکپور کے، جس نے عرصہ دراز کے بعد ''یوم حسن الاعظمی'' پر ۲۵ر دسمبر ۲۰۱۲ء کو ایک مذاکرے کا انعقاد کیا اور حسن الاعظمی کی ہمہ گیر شخصیت کو عوام الناس کے ساتھ ساتھ علمی حلقوں میں روشناس کرانے کی سعیِ بلیغ کی۔قابل مبارکباد ہیں سوسائٹی کے احباب وفعال اراکین جنہوں نے اس کمی کو محسوس کیا اور مبارکپور کے اس علمی تابندہ ستارے پر ایک مذاکرہ کا انعقاد کیا اور اس گوہر نایاب کو متعارف کرانے کی کوشش کی۔

موجودہ دور میں حسن الاعظمی سے عدم واقفیت کی بنیادی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ حسن الاعظمی کے مشن کو ان کی زندگی میں ہی ادبا وشعرا، نقادوں اور دانشوروں نے فراموش کر دیا تھا۔اربابِ حل وعقد اچھی طرح واقف ہیں کہ حسن الاعظمی کی تخلیقات کا شاندار سلسلہ ہندوستان سے شروع ہو کر مصر اور بلادِ عرب میں جاری ہوا۔حالاں کہ عرب دنیا میں اقبال کی فکری جہانگیری اور ادبی جہاں داری کو متعارف کرانے میں ان کا زبردست کارنامہ ہے،اسی کے ساتھ اردو زبان وادب کو عرب ملکوں میں فروغ دینے کا سہرا انہیں کے سر جاتا ہے۔لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، وہ ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے اور وہیں سے اپنے مشن کو جاری

رکھا۔ بجاطور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا جسم دستوری طور پر یقیناً پاکستان ہو گیا تھا لیکن فکری اور ادبی دنیا میں وہ سرحدوں میں کبھی قید نہیں رہے۔''

(''بابائے عربی'' از مہتاب پیامی : تاثرات از مولانا انعام الرحمٰن انصاری، مبارکپوری ،
ص:۱۱، ۱۲: دسمبر ۲۰۱۳ء)

باب چہارم
محمد حسن الاعظمی کے قائم کردہ ادارے اور تنظیمیں

جماعت اخوۃ اسلامیہ

۱۹۳۷ء میں پروفیسر اعظمی مصر پہنچے اور انہیں رواق عباسی (ہوسٹل) میں رہنے کا اتفاق ہوا جس میں ایک مدت تک علامہ شیخ محمد عبدہ رہ چکے تھے جس کے اطراف کے کمروں میں جمال الدین افغانی ازہری نوجوانوں کو اپنی تحریک سے آشنا کرتے رہے۔ پروفیسر اعظمی نے چھ ماہ تک وہاں کے حالات کا مطالعہ کیا آخر کار مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی بنیاد ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ ۱۹۳۸ء میں پروفیسر اعظمی نے مختلف جہاتِ عالم کے برگزیدہ اور نمایاں اشخاص کو ایک جگہ ہندی سوسائٹی (جالیہ ہندیہ) جو قاہرہ میں قائم تھی جس کے روح رواں ریاض الدین فاروقی تھے جو مصر جانے والے ہندوستانیوں کی اکثر مدد کرتے تھے، کے دفتر میں اکٹھا کیا، یہ اجتماع اگر چہ بظاہر ایک تعارفی تھا لیکن اس کا مقصد بہت اعلیٰ اور نتیجہ بہت ہی معنی خیز تھا۔ چنانچہ اعظمی صاحب نے جماعت اخوۃ اسلامیہ کے قیام کی تجویز پیش کی اور ایک تقریر میں اس کا مجوزہ اغراض ومقاصد بیان کیے۔ دو تین بار ایسی مجالس منعقد ہوئیں اور آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ جماعت اخوۃ اسلامیہ قائم کی

جائے۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کا اخوت کے صدر اور پروفیسر اعظمی کو معتمد عمومی کے طور پر نامزد کیا گیا اور مجلس عاملہ میں ہر ملک کا ایک ایک نمائندہ لیا گیا۔ جماعت اخوۃ اسلامیہ میں تقریباً ساٹھ اسلامی ممالک کے نمائندوں نے شرکت کی، انجمن نے ایسے مقاصد پیش نظر رکھے جن سے تمام دنیا کے اسی کروڑ سے زائد مسلمان ایک جسم کی طرح متحد و مرکب ہو جائیں، ان کا تعلیمی نظام باہم اس قدر مربوط اور ایک دوسرے سے قریب ہو جائے کہ ایک مسلمان اگر دوسرے ملک میں جا کر تعلیم لینا یا دینا چاہے تو اس ملک کے باشندوں کیلئے ان کی تعلیم، زبان اور طرز تفہیم میں اجنبیت نہ پائی جائے بلکہ وہ آسانی کے ساتھ ان کی تعلیمات سے مانوس ہو جائیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں پروفیسر اعظمی ''المعجم الاعظم'' (یعنی عربی اردو لغات) میں تحریر کرتے ہیں کہ

''اوائل ۱۹۳۸ء میں جماعت الاخوۃ الاسلامیہ کی باقاعدہ تاسیس عمل میں آئی اور علامہ طنطاوی جوہری مفسر قرآن کو شعبۂ تحریر وتقریر کا صدر، ڈاکٹر عزام، پرنسپل کلیۃ الآداب کو انجمن کا صدر، اور مجھے معتمد عمومی مقرر کیا گیا۔ اس انجمن کی وجہ سے، جس میں تمام اسلامی دنیا کے تعلیم یافتہ نوجوانوں نے شرکت کی، مجھے سنہری موقع مل گیا عربی گفتگو، انشاء اور تقریر پر قدرت حاصل کرلوں۔ اس عالمگیر انجمن کا اہم مقصد جس میں ساٹھ ممالک اسلامیہ کے نمایندے میرے مصر چھوڑنے تک شریک ہو چکے تھے، مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا، اور انہیں وطنیت کے زہریلے اثرات اور فرقہ واری تعصب سے بچا کر اخوت کے رشتہ میں باہم منسلک کر دینا، اور ان میں عربی کو بطور مشترکہ و مذہبی زبان کے عام کرنا ہے۔ اس مقصد کو پھیلانے کیلئے بہت جلد ایک رسالہ بنام ''العالم الاسلامی'' عربی فارسی،

ترکی، اردو اور انگریزی پانچ زبانوں میں نکالا جائیگا، اور ایک نیوز ایجنسی بنام شرکۃ أنباء الھلال (Cresant News Agency) قائم کرنے کا ارادہ ہے۔ جو اسلامی دنیا کی صحیح خبروں کو فراہم کرے گی، اور ایک ملک کے اہم حالات دوسرے ملک کے باشندوں تک پہونچائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب میں نے ’’شرح دیوان الامیر تمیم الفاطمی‘‘ مصری حکومت کے روبرو و قاہرہ کی ہزار سالہ جوبلی کیلئے پیش کیا تو آزمائیشی کمیٹی (لجنۂ اختبار) نے جو ڈاکٹر طٰحٰہ حسین، استاذ احمد امین، منصور فہمی پاشا اور ڈاکٹر عزام وغیرہم پر مشتمل تھی، حکومت کے خرچ پر اہتمام سے طبع کرنے پر اتفاق کیا۔

لیبیا کی جنگ خود مصر کی جنگ تھی، اور قاہرہ کو بتدریج خالی کرنے کے احکام بھی ہو چکے تھے، اور کئی سال سے میں ہندوستان نہیں آسکا تھا، نیز اخوت کے مقاصد میں ممالک اسلامیہ کا دورہ کر کے عربی پھیلانا اور دعوت اتحاد دینا شریک ہے۔ لہٰذا سقوط فرانس کے بعد جب کہ راستہ تقریباً بند ہو چکا تھا، بصرہ ہوتا ہوا کراچی پہونچا، کچھ عرصہ تک سندھ گجرات، صوبۂ بمبئی، میواڑ، راجپوتانہ، یوپی، سی پی، دکن، پنجاب، شملہ اور کشمیر کا دورہ کرتا رہا۔ اور عصری و مذہبی مدارس وکلیات کو اور عام مجمعوں کو مخاطب کرنے کا موقع ملا۔ اس سلسلہ میں اخوتِ اسلامی کا پروپگنڈا کیا۔‘‘ (المعجم الاعظم،: ص:۸، ۹، جولائی ۱۹۴۶ء)

انجمن نے ۱۹۳۸ء سے باقاعدہ کام شروع کردیا، اگرچہ ۱۹۳۹ء کے اواخر کی جنگ نے اس کی بہت سی امیدوں اور تمناؤں پر پانی پھیر دیا، جو دیگر ممالک سے متعلق تھیں، تاہم انجمن ان مصائب کو برداشت کرتی رہی اور نہایت دانشمندی کے ساتھ اپنے مقصد کی دھن میں لگی رہی، اس انجمن نے ۱۹۳۸ء میں شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی کی زندگی کو سیاسی اور مذہبی نقطۂ نظر سے پیش کی، اس تصنیف

کا سیاسی حصہ ایک نوجوان محمود ساداتی نے لکھا اور مذہبی حصہ پروفیسر اعظمی نے ،جس میں تمام دلائل پیش کیے گئے جن کے ذریعہ شیعہ سنی میں پورا اتحاد ممکن ہو،رضا شاہ پہلوی نے اس کتاب کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھا اور اخوت کے مقاصد ونظریہ سے کافی متاثر ہوئے فوراً اس کتاب کے مذہبی حصے کو فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا جو تہران سے شائع کیا گیا۔اسی سلسلہ میں پروفیسر اعظمی کو ایران کے دورے کی دعوت دی گئی تا کہ ایران ومصر کے تعلقات کو اور زیادہ استوار اور خوشگوار کیا جائے۔

پروفیسر اعظمی چونکہ اخوت کے معتمد عمومی تھے ،وہ اخوت کا دستورالعمل لیکر مصر کے مشہور فلسفی فیلسوف اسلام علامہ طنطاوی جوہری کے گھر گئے اور گھنٹوں تبادلۂ خیالات کے بعد علامہ نے اپنی خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں اس کام کے لیے تیس سال سے کوشاں ہوں ،لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ شرف تمہیں بخشا اور میں آج سے اپنی باقی زندگی اخوت کی نشرواشاعت میں صرف کروں گا۔اور تامرض الموت علامہ جوہری اخوت اسلامیہ کے بہترین رہنما رہے اور بلا ناغہ اخوت کے دفتر میں آتے رہے۔علامہ جوہری نے قرآن مجید کی پچیس جلدوں میں تفسیر کی ہے جس میں قرآنی آیات کی عصرِ حاضر کے علوم کی روشنی میں وضاحت کی گئی ہے۔یہ تفسیر بیسویں صدی کی تفسیر کبیر کہلاتی ہے اور مطبع دارالمصنفین اعظم گڑھ کے زیر اہتمام اس کا اردو ترجمہ شائع کیا گیا۔

وفات سے ایک سال بیشتر انہوں نے جماعت کے ایک اجتماع میں شرکت کی اور ایک تقریر کے دوران میں کہا کہ تاریخ اسلام میں مسلمان دو ہی موقعوں پر متحد ہوئے ہیں ۔ایک رسول کریم کے زمانے میں اور دوسرے آج جہاں مختلف ممالک اسلامیہ کے نمائندے ایک جگہ جمع ہوئے ہیں۔

جب علامہ طنطاوی کی بیماری بہت پیچیدہ صورت اختیار کر گئی تو آپ نے پروفیسر اعظمی سے کہا کہ وہ اپنی کوئی خواہش ظاہر کریں جسے وہ مرنے سے پہلے پورا کردیں، اعظمی صاحب نے کہا کہ آپ اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابیں اور اپنی دوسری تمام کتابوں کا پورا ذخیرہ انجمن کو ہدیہ کردیں، موصوف نے فی الفور اپنے ورثاء کے سامنے تحریر کرادی اور تمام کتب جماعت الاخوۃ کے کتب خانے میں رکھوادی گئیں۔

شیخ مصطفی باشا عبدالرازق جو اخوت کے رکن تھے، انہوں نے اخوت کو ایک بہت بڑی عمارت مفت میں دے دی۔ یہ عمارت قبہ ملک غوری کے نام سے مشہور تھی اور مصر کے آثار قدیمہ میں شمار کی جاتی تھی۔

علامہ اقبال اور جماعت الاخوۃ

جماعت الاخوۃ الاسلامیہ نے علامہ اقبال کو عصر حاضر کے مفکرین کا قائد قرار دیا۔اور فیصلہ کیا کہ یا تو انہیں مصر بلایا جائے یا ایک وفد ان سے ملنے ہندوستان جائے اور جماعت الاخوۃ کے متعلق ان سے مشورہ کرے۔مگر اچانک قاہرہ ریڈیو نے یہ خبر سنائی کہ شاعر مشرق اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں۔اس خبر سے مصر بھر میں غم والم کی گھٹا چھا گئیں۔جماعت نے ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا جس میں تمام ممالک اسلامیہ کے نمائندے شریک ہوئے اور ہر ایک نے مختلف طریقوں سے شاعر مشرق کی موت پر اظہار افسوس کیا۔ڈاکٹر عبدالوہاب عزام بک ، پرنسپل کلیۃ الآداب جامعہ مصریہ نے اسرار خودی، رموز خودی، پیام مشرق، جاوید نامہ اور مسافر کے اقتباسات عربی نظم ونثر میں ترجمہ کر کے پیش کیے۔اور شیخ صاوی شعلان نے شکوہ وجواب شکوہ کو جسے پروفیسر اعظمی نے نثر میں ترجمہ کیا تھا، عربی نظم

میں پیش کر کے نہایت پر درد لہجے میں سنایا۔

جماعت الاخوۃ کے زیر اہتمام ہر سال یوم اقبال منایا جاتا تھا۔ جماعت الاخوۃ الاسلامیہ کا مرکز ۱۹۴۸ء میں کراچی میں منتقل کیا گیا اور ۱۹۴۹ء سے عارضی طور سے مؤتمر العالم الاسلامی کے نام سے اور ۱۹۶۲ء سے اتحاد العالم الاسلامی کے نام سے سرگرمی جاری رکھتے ہوئے اسے رجسٹرڈ بھی کروالیا گیا۔

۱۹۴۹ء میں مؤتمر العالم الاسلامی کا کراچی میں اجلاس منعقد ہوا اور ۱۹۵۱ء میں دوسرا تاریخی اجلاس کراچی میں منعقد ہوا جس کا افتتاح لیاقت علی، وزیر اعظم پاکستان نے کیا اور صدارت مفتی اعظم فلسطین سید امین حسینی نے کی۔ اس اجلاس میں ۳۸ر ممالک کے نمائندوں نے شرکت کی تھی۔

جماعت الاخوۃ الاسلامیہ کے اغراض ومقاصد

جماعت اخوۃ الاسلامیہ میں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ کوئی ملک اپنے نمائندوں کی کثرت کے بل بوتے پر اس جماعت پر قبضہ نہ کر سکے اس لیے ہر ملک کو صرف ایک رائے دینے کا حق دیا گیا تھا۔ اس جماعت کے اغراض ومقاصد مختصراً یہ تھے

۱۔ مسلمانان عالم میں مذہبی تعصب کا قلع قمع کرنا، سنی وشیعہ اور دیگر اختلافات کو دور کر کے اس امر کی تلقین کرنا کہ تمام مسلمان اپنے آپ کو سوائے مسلمان کے اور کسی نام سے موسوم نہ کریں۔

۲۔ دنیا بھر کے مسلمانوں میں حقیقی تعارف واتصال پیدا کرنا۔

۳۔ اسلام کا دفاع وتبلیغ۔

۴۔ دینی ودنیاوی تعلیم میں قربت پیدا کرنا۔

۵۔مسلمان طلبا کی مدد کا بندوبست کرنا۔
۶۔مسلمانوں کے مشہور لیڈروں کے سوانح کی اشاعت۔
۷۔مسلمانوں کے بڑے قائدین سے براہ راست سلسلۂ مراسلت پیدا کرنا۔
۸۔عربی زبان کو عالم اسلام کی مشترکہ زبان بنانا۔
۹۔جماعت کے زیر اہتمام مفید ادب پیدا کرنا اور اس کا ترجمہ مشرقی زبانوں میں کرنا۔
۱۰۔ایک کتب خانے کا قیام جس میں دنیا کی ہر زبان کی وہ تمام کتابیں جمع ہوں جو اسلام پر لکھی گئی ہوں، نیز تمام اسلامی مجلّات کو جمع کرنا۔

اودے پور میواڑ میں اخوت کی پہلی شاخ

اخوۃ اسلامیہ قاہرہ کے معتمد عمومی پروفیسر اعظمی نے ۱۹۴۰ء کے اواخر میں بمبئی پہونچے اور وہاں اودے پور میواڑ کے نوجوانوں کا تار انہیں موصول ہوا اور ان کے اصرار پر وہ سیدھے اودے پور جیسی ریاست میں جہاں پہونچتے ہی یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ انسان کئی صدی کے پہلے دنیا میں ڈھکیل دیا گیا ہے۔ اخوت پر متعدد تقریریں کیں اور سب سے پہلے ہندوستان میں اودے پور ہی کو اخوت کی شاخ قائم کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

اودے پور میواڑ میں اخوت کی نسوانی شاخ

جس سال اودے پور میں اخوت کی شاخ قائم ہوئی اسی سال خواتین کی خواہش و اصرار سے معتمد نے ایک انجمن بنام ''بزم نسواں'' قائم کردی، جو پیہم عمل سے قومی وملی خدمات انجام دینے لگی۔

لاہور میں بزم تعلیم وترقی مسلمات

اس بزم کے قیام کا سبب یہ ہوا کہ لاہور کے زمانہ اقامت میں اعظمی صاحب کو زنانہ کالجوں کی طالبات کو بھی مخاطب کرنے کا موقع ملا۔ اور ان طالبات کی خواہش پر نئے نصاب کے مطابق عربی زبان وقرآن کا درس بھی شروع کردیا۔ اس کا خاطر خواہ نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور کی خواتین میں اسلامی بیداری کا دور دورہ ہوگیا اور اس مقصد کو عام کرنے کے لیے وہاں کی تعلیم یافتہ خواتین کی ایک بزم بنادی تاکہ جلسوں اور دوروں کے توسط سے عربی وقرآن کا پروپگنڈہ کرسکیں۔

لاہور میں اخوت کلیہ کا قیام

پنجابی نوجوانوں کے بے حد اصرار پر اسلامیہ کالج کے حبیبیہ ہال میں وہاں کے مفکرین اور پروفیسروں کو یکجا کر کے اخوت کی دعوت دی اور ۱۶ رنومبر ۱۹۴۱ء کو ان شخصیتو کے حسب مشورہ اخوت کی شاخ قائم کردی گئی اور اخوت کے مرکزی دفتر میں ہر جمعہ کو عربی اردو میں تقریریں شروع کی گئیں۔ جن میں بعض ہندوستانی علماء کے ساتھ اہل زبان بھی شرکت کرنے لگے، اس کا اثر یہ ہوا کہ بعض پنجابی زبان کے حامیوں نے خطرہ محسوس کیا اور کہنے لگے کہ اگر فلاں (یعنی اعظمی صاحب) یہاں دس سال رہ گیا اور اپنی تحریک چلاتا رہا تو پنجاب کی زبان عربی بن جائیگی حالانکہ اعظمی صاحب پنجاب تو کیا ساری دنیا کی زبان عربی بنا دینے کے خواہش مند تھے اور ان کا ایمان یہ تھا کہ مسلمان بغیر عربی کے صحیح مسلمان نہیں ہوسکتا۔

رابطۃ التالیف والترجمہ ہند

جدید اصول سے عربی کتب کی تالیف وتصنیف اور ترجمہ کے لئے لاہور میں رابطہ کی بنیاد ڈالی گئی اور وہاں کے تمام عربی پروفیسروں اور عالموں نے شرکت کر کے عملی تعاون کیا اور تجربہ کیلئے وہاں کلیۃ اللغۃ العربیۃ کی بنیاد ڈال کر تدریس شروع کی گئی، جو بہت کامیاب رہی لیکن کاغذ کے فقدان کے سبب لاہور چھوڑ کر حیدرآباد کو مرکز بنایا گیا اور بعد میں اس کا مرکز کراچی منتقل کر دیا گیا۔

حیدرآباد میں انجمن اشاعت عربی ہند

عربی کو ہردالعزیز بنانے اور اس کی ترویج ونشر کی خاطر ہز ہائی نس سر صالح بن غالب نواب سیف نواز جنگ بہادر سلطان مکلا کی صدارت میں لگ بھگ ۱۹۴۴ء میں اس انجمن کی تاسیس عمل میں آئی۔ رابطہ کو اس کی ذیلی وعلمی مجلس قرار دے کر متحدہ محاذ سے عمل شروع ہوا، کئی تاریخی عربی جلسوں کے علاوہ عیدین کے جلسے اور متعدد مقامات پر جدید اسلوب سے عربی تعلیم وغیرہ اس کے زندہ جاوید کارناموں میں تھے۔

ہفتہ واری عربی جلسوں اور دیگر سرگرمیوں سے تمام ساکنان دکن بخوبی آگاہ تھے انجمن کی جانب سے نہایت اہتمام کے ساتھ انعامی مسابقتی تقاریر کے عنوانات کا اعلان کیا گیا تھا، جس میں متفرق مدارس، کلیات اور درس گاہوں کے تقریباً سو طلبا و طالبات نے شرکت کر کے انعامات حاصل کیے اور معہد اللغۃ العربیہ قائم کر کے مختلف مقامات پر جدید عربی کی تدریس شروع کی گئی۔

ادارۂ معارف اسلامیہ ہند

ممالک اسلامیہ کے حالات اور زعماء ومشاہیر عالم اسلامی کی سیرتیں اور انکی

تحریکات کو منظر عام پر لانے کیلئے عربی کتابوں سے مواد فراہم کرکے اردو میں کتابیں پیش کرنے کا ایک گراں قدر سلسلہ شروع کیا گیا، اس مقصد کیلئے ادارۂ معارف اسلامیہ کی بنیاد ڈالی گئی ۔اس ادارے کا قیام اس مقصد سے کیا گیا کہ نوجوانوں میں اسلامی تعلیمات اور بزرگوں کی صالح انقلابی تحریکات کو زندہ کیا جائے اوران کےاندر عملی وعلمی صحیح تحریک پیدا کیا جائے۔

الکلیۃ العربیہ ومعہد القرآن

انجمن اشاعت عربی کا دستورالعمل جلسہ عام میں منظور کیا گیااوراسے کل ہند تحریک بنا کر ذیل مقصد کی تکمیل کیلئے نافذ العمل کیا گیا''کل انجمن اشاعت عربی زبان بطور زندہ زبان کے اشاعت کرنا اور ہندوستان کے مدارس وکلیات میں کوشش کرنا کہ اس کو مسلمانو کی حدتک لازمی زبان قراردی جائے''

انجمن کی خواہش پر صدر انجمن نے اپنی قیمتی اسلامی لائبریری جو تین ہزار کتب پر مشتمل تھی مع الماریوں کے انجمن کیلئے وقف کردی اورایک عربی کالج و معہد القرآن کی عمارت کے مصارف برداشت کیئے جسمیں کم سے کم مدت میں عربی اورقرآن کی تعلیم دی جاسکےاورعربی مما لک میں تعلیم پانے والے طلباء کیلئے خالص عربی ماحول پیدا کیا جا سکے۔اس کالج کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے وزیر اعظم حیدرآباد نے حکومت کی جانب سے از ہر کی طرز کا ایک عربی کالج بنانے اورممکنہ مالی امداد کا وعدہ کیا تھا۔

ماڈرن عربک کالج کراچی

پروفیسر اعظمی کی تنظیم کے ذریعہ ۱۹۴۸ءمیں مستقل طور سے کراچی میں

ماڈرن عربک کالج کی تشکیل کی گئی، جس کے پرنسپل کے طور پر اعظمی صاحب تشکیل سے لیکر ۱۹۶۲ء تک اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ عربک کالج سے ہر سال سیکڑوں پاکستانی وغیر پاکستانی طلبا نے استفادہ کر کے مماثل از ہر یونیورسٹی سندیں حاصل کیں۔ عربی زبان سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو روشناس کرانے کیلئے عربک کالج کے مختلف مراکز بھی قائم کئے گئے، تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کالج سے مستفید ہوسکیں۔، فاطمہ جناح، سردار عبد الرب نشتر، فضل الرحمان، وزیر تعلیم و خواجہ شہاب الدین وزیر داخلہ کے بھی اعظمی صاحب عربی کے استاد رہے ہیں۔ پروفیسر اعظمی پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں ایم اے عربی کے بھی استاد رہے ہیں۔

انجمن رابطۃ الادباء مبارکپور

غالباً ۱۹۴۰ء کے آس پاس جب پروفیسر اعظمی مبارکپور آئے تو انہوں نے اس انجمن کو قائم کیا اور طلبہ و مدرسین کو عربی زبان کی مشق کیلئے ایک ماہوار قلمی رسالے کی اشاعت کا مؤرخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوری کی ادارت میں آغاز کیا۔ اس سلسلہ میں ماہنامہ ضیاء الاسلام، مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپورہ، اعظم گڑھ یوپی کے، ''قاضی اطہر مبارکپوری نمبر'' اگست تا دسمبر ۲۰۰۳ء میں، قاضی اطہر مبارکپوری کے غیر مطبوعہ خودنوشت سوانح '' کاروان حیات از فراغت تعلیم تا قیام بمبئی'' جس میں ایک مقام پر قاضی اطہر مبارکپوری مدرسہ احیاء العلوم میں دوران مدرسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

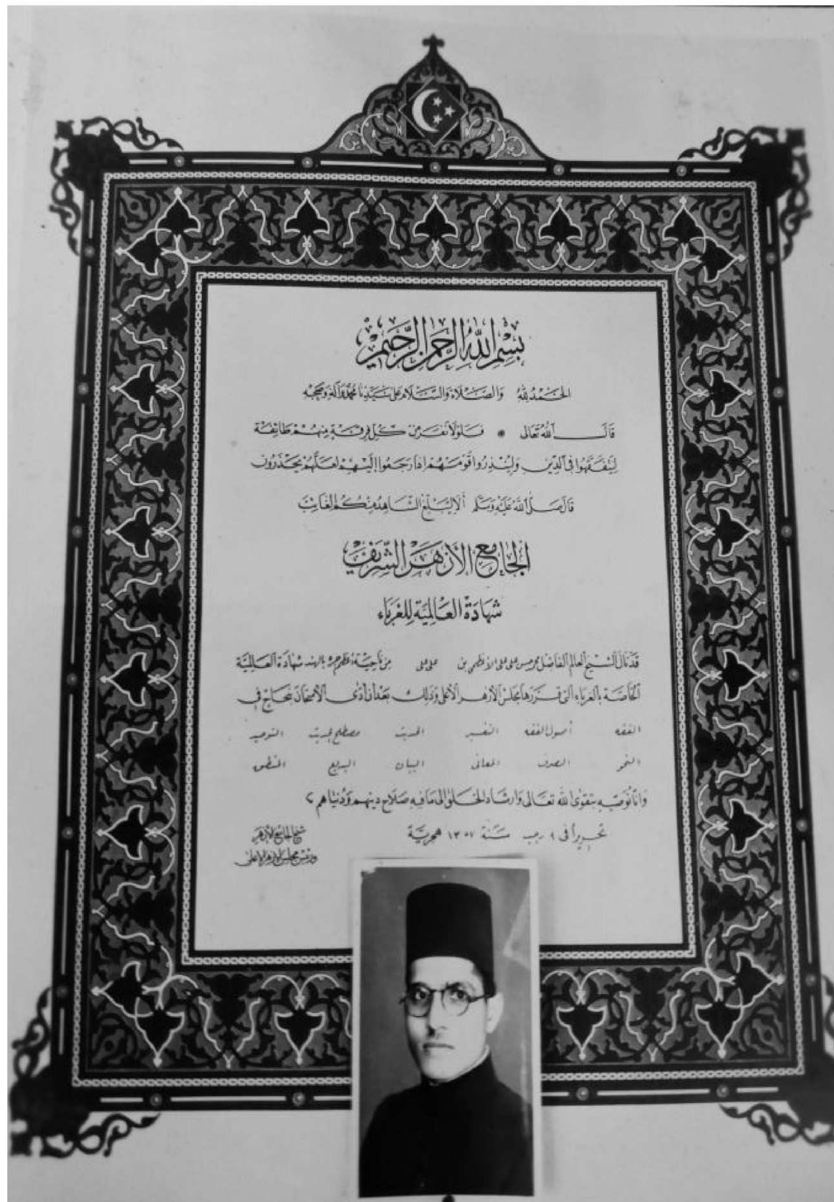
''اسی زمانہ میں پروفیسر محمد حسن الاعظمی ازہری اپنے وطن مبارکپور آئے، اور انہوں نے یہاں ''رابطۃ الادباء'' کے نام سے ایک علمی انجمن قائم کی، اور طے پایا

کہ اس انجمن کی طرف سے ایک ماہوار قلمی رسالہ عربی زبان میں نکالا جائے تا کہ طلبہ ومدرسین کو عربی زبان میں لکھنے کی مشق ہو۔ اس رسالہ کی ادارت میرے ذمہ تھی، چند نمبر نکل سکے جن میں اساتذہ کے مضامین عربی میں ہوتے تھے۔'' (ماہنامہ ضیاء الاسلام، مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپورہ، اعظم گڑھ یوپی کے ''قاضی اطہر مبارکپوری نمبر'' ''کاروان حیات از فراغت تعلیم تا قیام بمبئی'' از قاضی اطہر مبارکپوری: ص: ۴۴: اگست تا دسمبر ۲۰۰۳ء)



نگارخانۂ حسن الاعظمی

جامع ازہر کی سند عالمیت



بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله والصلاة والسلام على سيدنا محمد وآله وصحبه

قال الله تعالى * فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون

قال صلى الله عليه وسلم ألا ليبلغ الشاهد منكم الغائب

الجامع الأزهر الشريف

شهادة العالمية للغرباء

قد نال الشيخ العالم الفاضل [illegible] شهادة العالية الخاصة بالغرباء التي قررها مجلس الأزهر الأعلى وذلك بعد أن أدى الامتحان بنجاح في

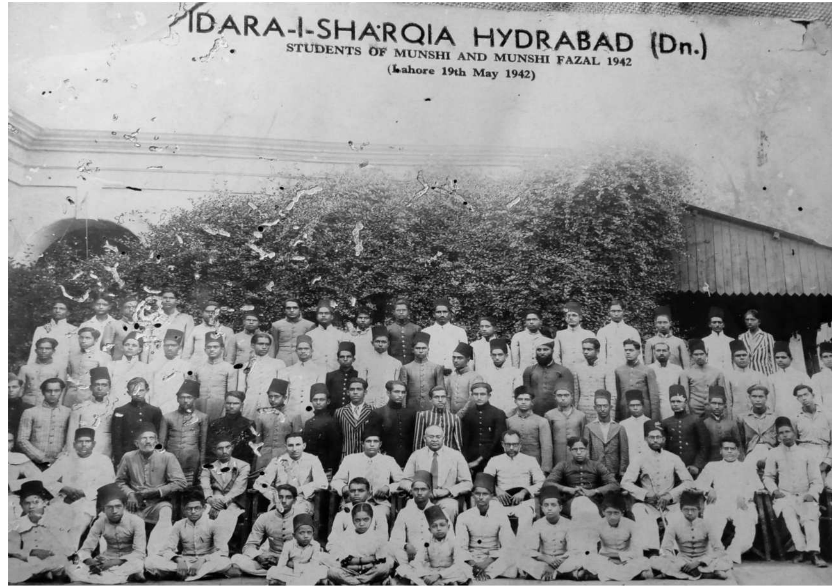
الفقه أصول الفقه التفسير الحديث مصطلح الحديث التوحيد

النحو الصرف المعاني البيان البديع المنطق

وأنا أوصيه بتقوى الله تعالى وإرشاد الخلق إلى ما فيه صلاح دينهم ودنياهم

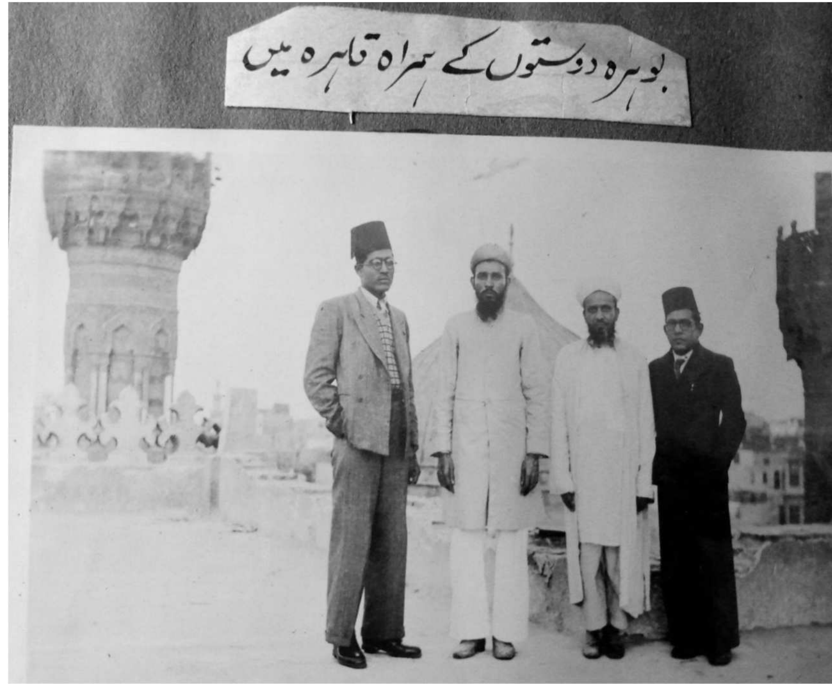
تحريراً في ١ رجب سنة ١٣٥٧ هجرية

شيخ الجامع الأزهر
ورئيس مجلس الأزهر الأعلى


IDARA-I-SHARQIA HYDRABAD (Dn.)
STUDENTS OF MUNSHI AND MUNSHI FAZAL 1942
(Lahore 19th May 1942)


الجامع الازہر


کراچی میں کانگریس کا جلسہ ۱۹۳۱ء


بوہرہ دوستوں کے ہمراہ قاہرہ میں


قبۃ الغوری میں اراکین اخوت کا اجتماع درمیان میں مصطفی باشا عبد الرزاق
شیخ الازہر اور علامہ طنطاوی جوہری ہیں

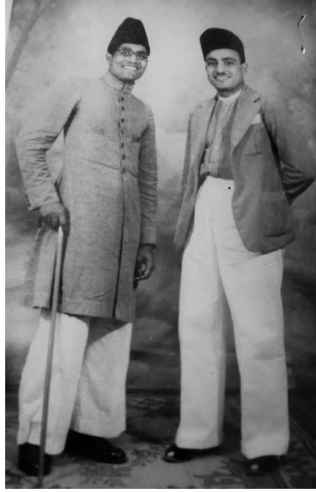

مولانا حسرت موہانی و شیخ خضر حسین مغربی کے ساتھ قاہرہ میں
مولانا حسرت موہانی


مع شیخ انصاری و شیخ عمر وجدی علی الازہر

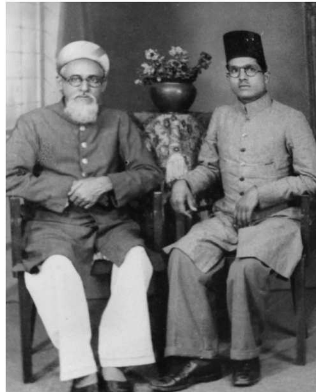

مختلف ممالک کے مسلم نوجوانوں کے ساتھ ہندی ہوسٹل کی چھت پر
مع الاصدقاء من الاقطار المختلفة على سطح الرواق الهندي في مصر

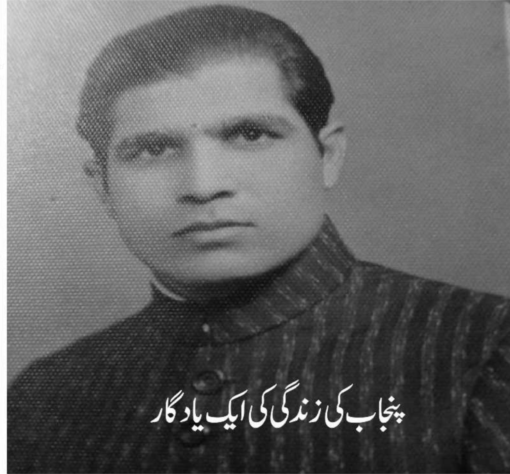

ڈاکٹر مجتبیٰ حسن ہندی کے ہمراہ عید کے روز

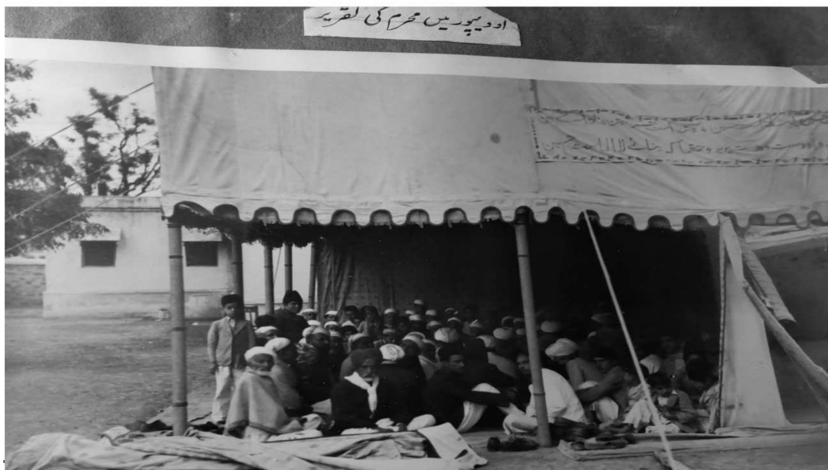

مع شیخ القسم العام
شیخ عبداللہ الجھنی پرنسپل قسم عام اور کامل کیلانی کے ساتھ







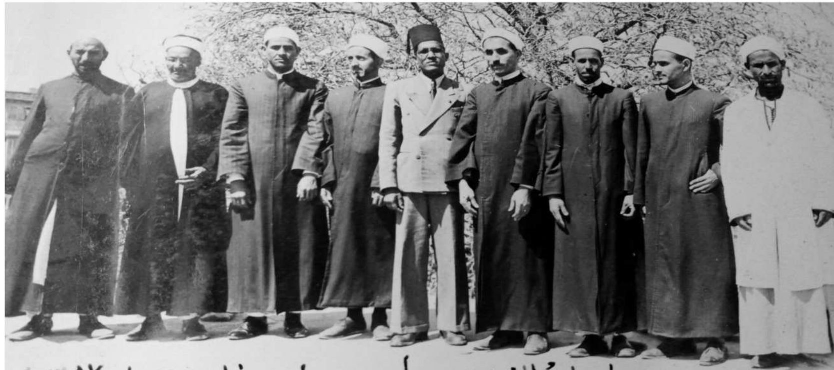

پنجاب کی زندگی کی ایک یادگار




جاوی لیڈر کے تعزیتی جلسہ میں


ڈاکٹر عزام کے دولت کدہ پر


حیدر علی صاحب بی اے کے ساتھ اہرام کو


مجاهد والغرب ومهاجر وهامع خادم العباد ۱۳۵۷ھ


ترکستان اور یورپ کے ترکوں کے ساتھ

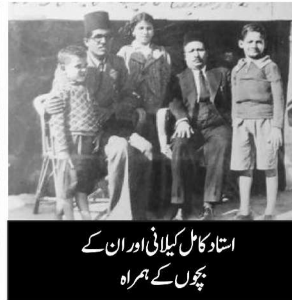

صدر اخوات ڈاکٹر عزام کے ساتھ


شامی بک العزم شامی وزیر کے ساتھ قاہرہ میں


شہادۃ العالمیہ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد


رواق الہنود کی چھت پر




استاد کامل کیلانی اور ان کے
بچوں کے ہمراہ


شیخ سنوسی کے فرزندوں کے ہمراہ عباسی کی چھت پر



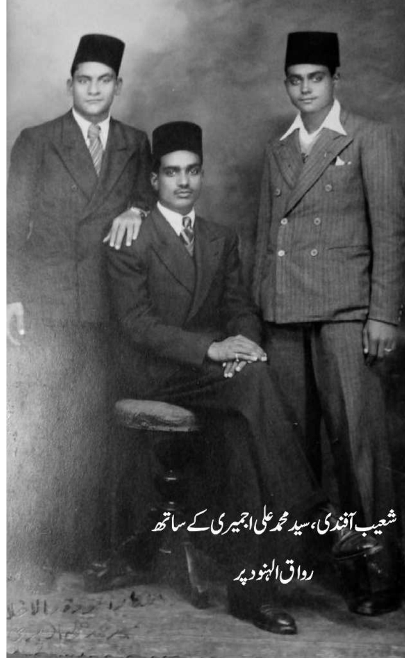
مصر میں ہندوستانی اور چینی دوستوں کے ہمراہ



پروفیسر لوئس لندن کے ہمراہ مصری ہوٹل میں



چینی وفد کے ہمراہ



شعیب آفندی، سید محمد علی اجمیری کے ساتھ
رواق الہنود پر



ڈاکٹر مجتبیٰ حسن ہندی کے ساتھ



اعضاء جماعة الأخوة الاسلامية مع رئيسهم الدكتور عبد الوهاب عزام وغيره من الضيوف


علامہ طنطاوی جوہری کے روحانی فرزند بننے کی یادگار
قاہرہ میں طالب علمی کی زندگی۔
پروفیسر حسن الاعظمی ماڈرن عربک سینٹر میں عربی کلاسوں کے افتتاح کے بعد پاکستان میں
بچپن کا ساتھی فدا حسین بی۔ اے حیدرآبادی


ازہری لباس میں
قبۃ الغوری میں علامہ طنطاوی جوہری کے انتقال سے کچھ روز قبل آخری تقریر
پہلا مصری دوست پروفیسر محمد کامل حسین
ادریسیوں کے پیر کے ساتھ میلاد النبیؐ کے ایوان میں
شیخ الادارسہ الصوفی یوم میلاد النبی

المنظمة العالمية
اتحاد العالم الاسلامی

رکنیت کا فارم

رسید عالمی تنظیم اتحاد العالم الاسلامی (۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۷ء)
(مرکز عام ۳۰۲ بہادر آباد۔ کراچی نمبر ۵۔ پاکستان)
رجسٹرڈ نمبر ۱۶۰۴

جناب ______
سے شکریہ کے ساتھ اشتراک / رکنیت وصول پائے۔
مبلغ ______
پتہ ______ ٹیلی فون ______
علمی وفنی قابلیت ______

مقاصد:۔ (۱) عربی زبان کو عام کرکے اسلامی دنیا کی مشترک زبان بنانا۔
(ب) فرقہ واریت سے بالا ہوکر خود کو صرف مسلم ومومن کہنا۔
(ج) تنگ وطنیت کو ترک کرکے تمام ارض اللہ کو اپنا وطن تصور کرنا۔
(د) غلام ذہنیت کے آثار کو زائل کرکے پیکرِ حریت بن جانا۔
(ہ) ایسا نظامِ تعلیم رائج کرنا جو دنیا ودین کی سرخروئی کا ضامن ہو۔

اقسام رکنیت (۱) عام سالانہ = دس روپے
(۲) دوامی = سو روپے یکمشت (۳) معطی یکمشت = پانچ سو روپے
رکن مربی یکمشت = ایک ہزار روپے

دستخط ______ دستخط محصل ______ دستخط صدر ______
مورخہ ______

بزمِ فروغِ اردو اسلامیہ کالج لاہور
کے زیر اہتمام
مورخہ ۱۳ نومبر سنہ ۱۹۴۱ء بروز پنجشنبہ ٹھیک ۱/۲ ۴ بجے شام
حبیبیہ ہال
میں
جناب عبدالستار صاحب نیازی ایم اے
ایک مقالہ بعنوان
"مسلمانوں کے دینی نظامِ تعلیم میں نقائص"
زیر صدارت
عالیجناب پروفیسر محمد حسین اعظمی عالم ازہر یونیورسٹی
پڑھیں گے

شہباز لاہور ۳ ۱۹ نومبر ۱۹۴۱ء

مورخہ ۲۰ شوال المکرم ۱۳۶۰ ہجری

ہندوستان کی ایک بڑی کمی پوری ہوگئی

جماعۃ الاخوۃ الاسلامیہ کا قیام

لاہور، ۱۸ نومبر۔ لاہور اسلامیہ کالج کے سٹاف روم میں کل ایک اہم تاریخی اجتماع ہوا۔ جس میں ڈاکٹر برکت علی قریشی ایم اے پی ایچ ڈی (برلن)، مولانا عبدالمجید سالک مدیر انقلاب، پروفیسر علم الدین سالک ایم اے، مولانا محمد العربی المراکشی پروفیسر اورنٹیل کالج، قاضی ظہیر الدین ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور، استاذ محمد حسن الاعظمی عالم جامعہ ازہر پروفیسر مصر یونیورسٹی جنرل سیکرٹری جماعۃ [illegible]

خدمات اور ان کے عالم اسلامی پر اثرات کی تشریح کی اور بتایا کہ مصری اس موجودہ اوقات میں شیعہ سنی وغیرہ کی قید سے قطعاً بالاتر ہو رہے ہیں اور مختلف فرقوں کے ائمہ کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں اور عالم اسلامی کی ذہنی اور خارجی یکجہتی کو برقرار رکھنے کے لئے جماعۃ الاخوۃ الاسلامیہ کو کامیاب طور پر استعمال کر رہے ہیں ۵۵ [illegible]

[illegible]

زمیندار

جامعہ مصریہ کے ہندوستانی پروفیسر کی علمی سرگرمیاں

تاریخ مغلیہ کے صحیح مواد کی فراہمی کا شوق

قاہرہ کے آرٹس کالج کے پروفیسر محمد حسن صاحب اعظمی عالم ازہر آج کل ہندوستان تشریف لائے ہوئے ہیں۔ آپ قاہرہ کی بین الاقوامی اسلامی انجمن جماعت الاخوۃ اسلامیہ کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ شملہ سال میں آپ کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ آپ یہاں کے مختلف تاریخی شہروں کا دورہ کریں۔ اور سلطنت مغلیہ کی تاریخ کے لئے مواد فراہم کرکے ایک کتاب لکھیں۔ اس سلسلے میں آپ کئی شہروں کا دورہ کرکے لاہور تشریف لائے ہیں۔

مصر کی موجودہ سیاسی حالت کے پیش نظر آپ نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ آپ یہاں ابھی کچھ عرصہ اور رہیں۔ آج کل آپ مسٹر عبدالسلام خورشید (مصنف ممالک اسلامی کی سیاست) سے مل کر اردو زبان میں مصر کے حالات پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ جو بہت جلد مکمل ہو جائے گی۔

پروفیسر صاحب نے مصر کے حالات پر اورنٹیل کالج اور اسلامیہ کالج لاہور میں متعدد تقریریں کی ہیں۔ اور اب خاص عربی کے طلبہ کے لئے اسلامیہ کالج میں ایک سلسلۂ تقاریر شروع کریں گے۔

پروفیسر صاحب عربی کی کئی کتب کے مصنف ہیں۔ آپ کی ایک کتاب حکومت مصر شائع کر رہی ہے۔ جسکو قاہرہ کی سرکاری سالگرہ پر پیش کیا جائے گا۔ معلوم ہوا ہے کہ اس کتاب کی طباعت پر حکومت دس ہزار روپے سے زائد رقم خرچ کرے گی۔

پروفیسر اعظمی [illegible] عربی میں [illegible] کی جماعتوں کی [illegible] مصریہ کے شعبۂ اردو [illegible] آپ نے [illegible]

[illegible] کتاب ابھی [illegible] عربی یا فارسی زبان سے واقف حضرات جہت جلد اردو پڑھ سکتے ہیں۔

پروفیسر صاحب نے علامہ اقبال کے فلسفۂ حیات وحالات پر ایک مفصل مقالہ لکھا تھا۔ جو مصر کے مشہور ادبی مجلّے "الثقافة" میں شائع ہو چکا ہے۔ (نامہ نگار)

STAR OF INDIA

Tuesday, May 20, 1941

(From Our Own Correspondent)
Lahore, May 18.

Professor Mohd. Hasan Azmi of the Egyptian University who is the General Secretary of "Jama-at-ul-Akhuwat-ul-Islam," an international Muslim organisation set up at Cairo, is on a short visit to India and is staying at Lahore.

That about half-a-million Egyptian soldiers are ready to fight the aggressor who has any evil designs on the integrity of the sovereignty of their country, was revealed to the representation of the "Star of India" by the learned professor.

Talking about the educational progress of Egypt, Prof. Azmi stated that a separate department for Urdu has been set up in the Egyptian University. By a special decree issued by the King Farouk, Urdu was given the status of a compulsory subject for all graduates. Prof. Azmi is the head of this department.

Appreciation of Iqbal

The Egyptians have great respect for Iqbal the great poet of India. His "Tarana-i-Milli" has been translated into Arabic and adopted by the "Jamat-ul-Akhuwat-ul-Islami" as its official anthem. This organisation is also preparing a biography of the great poet which will be published in Urdu, Arabic, Persian and Turkish languages.

THE EASTERN TIMES

FRIDAY, MAY 30, 1941.

CAIRO UNIVERSITY MAKES URDU COMPULSORY SUBJECT

Popularity of Iqbal in Arabic World

Professor Mohd. Hasan Azmi of the Egyptian University who is the General Secretary of "Jama-at-ul-Akhuwat-ul-Islam," an international Muslim organisation set up at Cairo, is on a short visit to India and is staying at Lahore.

Talking about the educational progress of Egypt, Prof. Azmi told that a separate department for Urdu has been set up in the Egyptian University. By a special decree issued by H. M. King Farouk, Urdu was given the status of a compulsory subject for all graduates. Prof. Azmi is the head of this department.

The Egyptians have great respect for Iqbal the great poet of India. His "Tarana-i-Milli" has been translated into Arabic and adopted by the "Jamat-ul-Akhuwat-ul-Islami" as its official anthem. This organisation is also preparing a biography of the great poet which will be published in Urdu, Arabic, Persian and Turkish languages.

Visit of Egyptian Professor.

Mr. Mohammad Hassan Alazmi, Alim, Azhar University and Professor Egyptain University, Cairo, paid a visit to Udaipur and delivered a series of public lectures on Muslim culture and religion. He also delivered a speech in the Maharana's College and dwelt at great length upon the system of education in Cairo and life in Egypt. He founded the "Ukhwat-ul-Islamia branch" in Udaipur which aims at unity of faith amongst different sects in Islam, and collected a good sum for an Arabic School to be started shortly in Udaipur.

عالم اسلام کے ممتاز دانشور

پروفیسر حسن الاعظمی کو یرغمال بنالیا گیا؟

برصغیر میں فروغ عربی کے داعی کے عالم پیری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سرمایہ اور جائیداد کی لوٹ کھسوٹ

پروفیسر حسن الاعظمی صاحب (عالم ازہر یونیورسٹی مصر و سابق پروفیسر قاہرہ یونیورسٹی) ہمارے ملک کے ان چیدہ اصحاب میں سے ہیں جن کی شہرت وطن کی حدود سے بڑھ کر دور دراز بیرونی ممالک تک پہنچی ہوئی ہے۔ آپ اعظم گڑھ (یوپی) کے رہنے والے ہیں۔ ہندوستان میں علوم شرقیہ کی تحصیل کے بعد شوق علم انہیں کشاں کشاں مصر لے گیا۔ وہاں وہ جامعہ ازہر میں مدارج علمی طے کرتے ہوئے قاہرہ کی مشہور [illegible] یونیورسٹی کے پروفیسر ہو گئے۔ انہوں نے عربی زبان میں یہاں تک دسترس حاصل کی کہ ان کی عربی کی تحریریں وہاں کے اخباروں اور ادبی رسالوں میں مقبول ہونے لگیں۔ اس کے بعد انہوں نے بہت سی کتابیں عربی میں تصنیف کیں جو پسند کی گئیں۔ ان کی کتابوں میں "شرح دیوان الامیر تمیم الفاطمی" سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کتاب کو حکومت مصر نے جامعہ ازہر قاہرہ کی ہزار سالہ جوبلی کے جشن کے لئے شائع کیا۔

بعض کتابوں کے ذریعے آپ نے اہل مصر کو ہندوستان کے تاریخی اور دیگر حالات سے آگاہ کیا۔ پھر مصر کے حالات پر آپ نے اردو میں کتابیں لکھیں تاکہ دونوں ملکوں کو ایک دوسرے سے دلچسپی ہو اور یہ دلچسپی ادبی اور تجارتی تعلقات کا ذریعہ ہے۔

لغت عربی کے متعلق بھی اعظمی صاحب نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں "المعجم الاعظم" یا عربی اردو لغت پانچ جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ دوسری اردو عربی لغت بھی کئی جلدوں میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک کتاب "فلسفۂ اقبال" پر بھی لکھی جس کے ذریعہ پروفیسر اعظمی صاحب نے مصر کے ذی علم طبقہ کو اقبال سے روشناس کرایا۔

ہندوستانی مدارس میں عربی کو ہردلعزیز کرنے کے لئے اعظمی صاحب کی تحریر کردہ [illegible] "القواعد الاعظمیہ" اور "دروس العربیہ" کے نام سے متعدد کتابیں نصاب میں داخل کی گئیں۔ ان علمی خدمات کے علاوہ ایک بڑا اہم جو اعظمی صاحب نے انجام دیا وہ یہ کہ انہوں نے مصر اور دیگر اسلامی ممالک کے علماء اور ادیبوں کے تعاون سے ایک عالمگیر جماعت مصر میں قائم کی جس کا نام "الاخوة الاسلامیة" رکھا گیا۔ اس کے صدر مرحوم علامہ طنطاوی جوہری مفسر قرآن اور

عبدالمتین فاروقی

جناب ڈاکٹر عبدالوہاب عزام ایک مصری فاضل جو پاکستان میں مصر کے ممتاز سفیر رہ چکے ہیں اور مصر یونیورسٹی میں علوم شرقیہ کے صدر شعبہ تھے، جب کہ اس عالمگیر جماعت کے جنرل سیکرٹری اعظمی صاحب تھے۔ اس جماعت کے اکثر اراکین ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کے مداح تھے۔

اعظمی صاحب اپنی یونیورسٹی سے رخصت لے کر لیبیا کی جنگ سے کچھ عرصے پہلے اس غرض سے ہندوستان آئے تھے کہ اپنی سوسائٹی کی شاخیں ہندوستان میں قائم کریں۔ ان دنوں انہوں نے ایک کتاب لکھی جو ہے تو بڑی چھوٹی سی مگر نہایت قابل قدر۔ اس میں تھوڑی سی جگہ اقبال مرحوم کا فلسفہ "حیات و موت" وضاحت سے اور بہت موثر پیرائے میں بیان کیا گیا۔ اس کتاب کی یہ عجب صفت ہے کہ یہ اردو میں بھی ہے اور عربی میں بھی۔ نظم میں بھی ہے اور نثر میں بھی۔ اقبال کے ترانہ ملی کا منظوم عربی ترجمہ بھی اس کتاب میں درج ہے۔

اعظمی صاحب کی دلی تمنا یہ تھی کہ عالم اسلام میں عربی تمدن، عربی تہذیب اور عربی ثقافت کو فروغ حاصل ہو۔ اسی مقصد عظیم کے لئے انہوں نے ہر آسائش اور زر کو قربان کر دیا۔ وہ بڑی آسانی سے کسی کالج یا یونیورسٹی میں لیکچرر یا پروفیسر ہو سکتے تھے اور اس طرح بغیر کسی پریشانی کے اطمینان و سکون کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکتے تھے، لیکن یہ راستہ انہوں نے اختیار نہیں کیا۔ ذہن و دماغ کی ساری صلاحیت اور اقدام و عمل کی پوری قوت انہوں نے فروغ عربی میں صرف کر دی۔

قیام پاکستان نے مسلمانوں میں ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا تھا، چنانچہ اعظمی صاحب نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عالم اسلام کے اتحاد کی کوششیں تیز کر دیں، جس کے نتیجے میں موتمر عالم اسلامی کا قیام عمل میں آیا، جو بعد میں اتحاد اسلامی کا ایک بڑا ذریعہ بنی۔ اعظمی صاحب نے جامعہ الازہر مصر سے "الشہادة العالیہ" کی ڈگری امتیاز کے ساتھ حاصل کی۔ اس ڈگری کے حاملین کو علمائے ازہر تصور کیا جاتا ہے۔

اعظمی صاحب کے بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم سے بھی قریبی تعلقات تھے۔ قائد اعظم نے اعظمی صاحب کے مشن ——— کو سراہتے ہوئے عربی تحریک اور اخوت اسلامی کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے اعظمی صاحب کے ذریعہ مولانا



EHSAN LAHORE.

روزنامہ احسان

11-12-41

روزنامہ انقلاب

بروز سہ شنبہ ۵۔ ذوالقعدہ ۱۳۶۰ھ

جماعت الاخوة الاسلامیہ لاہور

لاہور میں رابطہ تالیف و ترجمہ کا قیام

پروفیسر محمد حسن اعظمی کی سرگرمیاں

ممالک اسلامیہ سے ہندوستان کے ادبی اور علمی تعلقات کے قیام اور دس کروڑ فرزندان توحید کی مقدس مذہبی زبان عربی کی نشر و اشاعت کے مقاصد عامہ کو پیش نظر رکھ کر لاہور میں السنۂ شرقیہ کے ممتاز اساتذہ نے ایک ادارہ "رابطہ تالیف و ترجمہ" کے نام سے قائم کیا ہے، جس کی سرپرستی آنریبل میاں عبدالحی وزیر تعلیمات پنجاب نے قبول فرمائی ہے۔ پرنسپل محمد شفیع ایم۔ اے (کینٹ) اورینٹل کالج لاہور۔ اس کے صدر پروفیسر محمد حسن اعظمی (عالم ازہر و پروفیسر جامعہ مصریہ قاہرہ) سیکرٹری اور ڈاکٹر برکت علی قریشی صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج لاہور خازن منتخب ہوئے ہیں۔ پروفیسر قاضی ظہیرالدین احمد ایم۔ اے صدر بزم فروغ اردو اسلامیہ کالج لاہور اس ادارے کے جائنٹ سیکرٹری مقرر ہوئے ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ ڈی لٹ، ڈاکٹر عنایت اللہ، مولانا ظفر اقبال، ڈاکٹر محمد باقر، پروفیسر محمد العربی المراقشی مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے ہیں۔

تصنیف و تالیف کا انتظام قاہرہ کے تعلیمی اداروں

کے نمونہ پر عربی تعلیم کیلئے ایک ادارے کا قیام، اسلامی ثقافت کی نشریات، اسلامی آداب پر مشتمل ایک کتب خانے کی تشکیل اور عالم اسلامی سے رابطہ پیدا کرنے کی غرض سے ایک عربی رسالے کا اجراء — یہ اہم چند مقاصد ہیں۔ جنہیں رابطۂ تالیف و ترجمہ جلد از جلد جامۂ تکمیل پہنانا چاہتا ہے۔

اس مجلس کے دیگر مقاصد یہ ہیں کہ عربی اور فارسی میں جو اسلامی ادب پیدا ہو چکا ہے، اس کے اہم حصہ کو اردو میں منتقل کیا جائے، اور اردو میں موجودہ اسلامی ادب کے ضروری حصوں کو عربی اور فارسی میں ترجمہ کیا جائے، نیز جدید ترین اصول پر عربی کی درسی کتب شائع کی جائیں۔

معلوم ہوا ہے کہ اس مجلس کے زیر اہتمام عربی، فارسی اور اردو میں ادبی اور علمی موضوعات پر تقریریں بھی کرائی جائیں گی۔



ہماری زبان ۱۲ یکم جولائی ۱۹۴۱ء

مجلس اُردو۔ گجرانوالہ

جناب محمد حسن صاحب اعظمی پروفیسر مصری یونیورسٹی کی صدارت میں یکم جون ۱۹۴۱ء صبح نو بجے اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ کے ہال میں بسلسلہ یوم اقبال جلسہ شروع ہوا۔ تلاوت کلام مجید کے بعد ایک بچے نے علامہ اقبال کی ایک نظم ترنم سے پڑھی اس کے بعد جناب ڈاکٹر محمد باقر صاحب ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی (لندن) نے تقریر کی ان کے بعد چودھری محمد صبا صاحب نے علامہ اقبال کا کلام نہایت دلکش لہجہ میں پڑھا۔ ان کے بعد جناب فیض جالندھری نے ایک نظم پڑھی جس میں علامہ مرحوم کے کلام پر تضمین تھی۔ جناب نذیر احمد محمود ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور نے علامہ اقبال مرحوم کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک عامی بھی ان کے کلام سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا علامہ اقبال ترجمان حقیقت تھے اور آزادی کی دعوت دینے والے مگر آزادی سے اُن کا مقصد بے مہار آزادی نہ تھا۔ جناب عطاءاللہ صاحب سجاد نے ایک مقالہ پڑھا جس میں انھوں نے عام لوگوں کی حد عقل کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ مرحوم کے کلام کی بڑی بڑی خصوصیات کو سلیس زبان میں بیان کیا۔ مقالہ نہایت خاموشی کے ساتھ سنا گیا۔ جناب شاہ ولی صاحب یمنی۔ جناب مجید صاحب لاہوری۔ جناب دیس راج صاحب یکتا اور پربھو دیال صاحب لعل نے علامہ کی یاد میں اپنا منظوم خراج عقیدت پیش کیا

(۸) انتخاب کے لیے پیش کی ہوئی کتابیں واپس نہ کی جائیں گی۔
(۹) جن ناشرین کی کتابیں منتخب کی جائیں گی انھیں مناسب وقت پر مطلع کر دیا جائے گا۔
کسی ایسے خط کا جواب نہ دیا جائے گا جس میں کتابوں کی منظوری کے بارے میں معلومات دریافت کی جائے۔
ایس۔ این۔ چترویدی۔ ایم۔ اے (لندن) پی اے سی ایس
محکمہ توسیع تعلیم۔ الہ آباد۔ یو۔ پی۔

قاہرہ یونیورسٹی میں شعبۂ اُردو کا قیام

اُردو کی لازمی تعلیم کے لیے شاہ فاروق کا فرمان

مصری دارالعلوم (یونیورسٹی) کے پروفیسر محمد حسن اعظمی جنرل سکریٹری جماعت الاسلام قاہرہ آج کل ہندستان کا دورہ کر رہے ہیں۔ آپ نے مصر کی تعلیمی ترقی کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ قاہرہ یونیورسٹی میں اردو کا ایک علیحدہ شعبہ قائم کر دیا گیا ہے۔ اور ہز مجسٹی نے ایک خاص فرمان کے ذریعہ ہر گریجویٹ کے لیے اردو کی تعلیم لازمی قرار دے دی ہے۔ آپ نے کہا کہ مصری ہندستان کے شاعر اعظم اقبال کی بہت قدر کرتے ہیں۔ ان کے ترانہ ملی کا عربی میں ترجمہ کر لیا گیا ہے اور جماعت اخوت الاسلام نے اس کو اپنا جماعتی ترانہ بنا لیا ہے۔ یہ جماعت اقبال کی سوانحعمری بھی تیار کر رہی ہے جس کو اردو، عربی، فارسی اور ترکی زبانوں میں شائع کیا جائے گا۔

روزنامہ احسان لاہور ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ

اسلامیہ ہائی سکول مزنگ لاہور کا مستحسن اقدام

ہفتہ وار تقریروں کا قابل تقلید سلسلہ

لاہور ۵ اکتوبر۔ کل بتاریخ ۳ اکتوبر مولانا محمد حسن صاحب اعظمی پروفیسر قاہرہ یونیورسٹی مصر نے عربی کی اہمیت پر نہایت جامع تقریر فرمائی۔ انہوں نے کہا کہ عربی نہ صرف قرآن پاک اور اسلامی تمدن کی ثقافتی زبان ہے۔ بلکہ ایشیا میں واحد ہی زبان ہے۔ جو جدید علمی و تمدنی تقاضوں کی کفیل ہو سکتی ہے اس لئے اسلامیہ مدارس کو چاہیے کہ وہ ہر طالب علم کے لئے لازمی عربی لازمی قرار دیں۔ ان کی تقریر کے بعد ہیڈ ماسٹر مدرسہ ہذا نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ عربی زبان کو ہر طالب علم کے لئے لازمی قرار دینا موجودہ نظام میں بہت مشکل ہے۔ اس لئے جب تک ہم اس نظام کو بدل دینے کے قابل نہیں ہو سکتے ہم نے اس مدرسہ میں یہ انتظام کر رکھا ہے کہ ہر طالب علم کی اوقات مدرسہ سے قبل اس طریق پر قرآن مجید کی تعلیم دی جائے کہ وہ نہایت قلیل عرصہ میں قرآن کو عربی زبان میں سمجھ سکے۔ نامہ نگار

احسان (۴) ۱۴ نومبر

جماعت الاخوۃ الاسلامیہ

لاہور ۲ نومبر۔ جماعت الاخوۃ الاسلامیہ شعبہ لاہور کو سری نگر (کشمیر) سے یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ پروفیسر محمد حسن الاعظمی صدر جماعت نے اپنے سری نگر ڈگری کالج میں "تحریک اخوۃ الاسلامیہ" پر لیکچر دیا۔ جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ چنانچہ تعلیم یافتہ نوجوانوں نے سری نگر میں مقامی جماعت قائم کر کے مندرجہ ذیل عہدیدار منتخب کئے۔
صدر:۔ پیر صدرالدین اندرابی۔
نائب صدر:۔ غلام محمد میر۔ معتمد عمومی:۔ [illegible] حسن۔ معاون معتمد:۔ سید محمد اصغر
خازن:۔ شیخ عبدالرحمن۔ معتمد نشر و اشاعت
[illegible] (معتمد نشر و اشاعت)